مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

278

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

محدّث

مارچ ۲۰۰۴ء

۲ عورت اور ترقی [جاپان، امریکہ اور پاکستان]
۳۸ بسنت اور ویلنٹائن ڈے؛ شرعی نقطہ نظر
۴۳ انبیا ہی معیارِ حق کیوں؟ [اوصافِ نبوت]

مجلس التحقیق الاسلامی

مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

ماہنامہ محدث لاہور

شمارہ: 343 جلد 43/عدد 2 فروری 2011ء صفر المظفر ۱۴۳۲ھ

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے زرِسالانہ: ۲۰۰روپے بیرون ملک: ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476 موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملّت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ **مُحدِّث** لاہور

حافظ عبدالرحمٰن مدنی
مدیر اعلیٰ

حافظ حسن مدنی
مدیر

جلد ۳۶ / شمارہ ۳
محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
مارچ ۲۰۰۴ء

فہرست مضامین

فکر و نظر

عورت اور ترقی (جاپان، امریکہ اور پاکستان) — محمد عطاء اللہ صدیقی — ۲

حدیث و سنت

انبیا ہی معیارِ حق کیوں؟ (نبوت کے اوصاف) — عبدالصمد رفیقی — ۲۳

اسلام اور ثقافت

بسنت اور ویلنٹائن ڈے اسلام کی نظر میں! — مبشر حسین لاہوری — ۳۸

حلقہ اشراق کی کتاب 'تصویر کا مسئلہ' پر ایک نظر — مدیر اعلیٰ — ۶۲

یادِ رفتگاں

عالم کی زندگی؛ تاریخ کا ورق (مولانا صادق خلیلؒ) — ڈاکٹر غلام نبی — ۶۶

مولانا صادق خلیل اور جامعہ لاہور الاسلامیہ — محمد اسلم صدیق — ۷۱

یکے بعد دیگرے نامور اہلِ علم کی رحلت — مولانا عبدالسلام — ۷۵

زر سالانہ	۲۰۰ روپے
فی شمارہ	۲۰ روپے

بیرون ممالک

زر سالانہ	۲۰ ڈالر
فی شمارہ	۲ ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700

Ph: 5866476, 5866396, 5839404
Email: hhasan@wol.net.pk

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلّی اتفاق ضروری نہیں!

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

Publisher: Hafiz Abdul Rahman Madani
Printer: Shirkat Printing Press, Lahore

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فکر و نظر

عورت اور ترقی

(جاپان، امریکہ اور پاکستان کے تناظر میں)

مغرب نے قوموں کی ترقی کے لئے جس سماجی فلسفہ کو آگے بڑھایا ہے، اس کا ایک بنیادی نکتہ یہ ہے کہ ترقی کے عمل میں عورتوں کی شرکت کے بغیر خاطر خواہ نتائج کا حصول ممکن نہیں ہے۔ یہ فقرہ تو تقریباً ضرب المثل کی حیثیت اختیار کرچکا ہے کہ مرد اور عورت گاڑی کے دو پہیوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ کہ زندگی کے ہر شعبے میں عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کے مواقع ملنے چاہئیں۔

درحقیقت اس طرح کے نعرے تحریک آزادئ نسواں کے علمبرداروں کی طرف سے شروع میں اُنیسویں صدی کے آغاز میں لگائے گئے تھے جو رفتہ رفتہ بے حد مقبولیت اختیار کرگئے۔ اس زمانے میں عورتوں کا دائرہ کار گھر کی چار دیواری تک محدود تھا اور عورت کا اصلی مقام اس کا گھر ہی سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانے کی خاندانی اقدار میں کنبے کی معاشی کفالت کی اصل ذمہ داری مرد پر تھی اور عورت کا بنیادی فریضہ گھریلو اُمور کی انجام دہی، بچوں کی نگہداشت اور اپنے خاوندوں کے آرام و سکون کا خیال اور فارغ وقت میں عمومی نوعیت کے کام کاج کرنے تک محدود تھا۔ تحریکِ آزادئ نسواں کے علمبرداروں نے اس صورتحال کو مرد کی 'حاکمیت' اور عورت کی بدترین 'غلامی' سے تعبیر کیا اور عورتوں کے اس استحصال کے خاتمے کے لئے یہ حل پیش کیا کہ انہیں بھی گھر کے باہر کی زندگی کے عشرت انگیز دائروں میں شریک ہونے کا موقع ملنا چاہئے۔ معاشرت، تعلیم، سیاست، صنعت و حرفت، ملازمت، غرض ہر شعبے میں عورت کی شرکت کو مرد کی حاکمیت اور غلامی سے چھٹکارا کے لئے ذریعہ سمجھا گیا۔ ۱۸۰۰ء کے لگ بھگ تحریکِ آزادئ نسواں کا آغاز ہوا۔ آج صورتحال یہ ہے کہ مغرب میں خاندانی ادارہ اور سماجی

www.KitaboSunnat.com

اَقدار زوال کا شکار ہو گئی ہیں، مرد اور عورت کے فرائض اور دائرہ کار آپس میں خلط ملط ہوگئے ہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز تک تحریکِ آزادئ نسواں کے زیادہ تر مطالبات مساوی تعلیم کے مواقع اور عورتوں کو ووٹ کے حقوق دینے تک ہی محدود تھے۔ لیکن آج مغرب میں مساوی حقوق کا نعرہ ایک بہت بڑے فتنہ کا روپ دھار چکا ہے جس نے انسانی زندگی کے تمام دائروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

امریکہ اور یورپ نے گذشتہ دو صدیوں کے درمیان جو محیر العقول سائنسی ترقی کی ہے، اس میں عورتوں کے حصے کو اَصل تناسب سے کہیں بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا رہا ہے۔ محدود دائروں میں عورتوں کے کردار اور حصہ سے انکار ممکن نہیں ہے۔ البتہ مغربی معاشرے کی اجتماعی ترقی کا معروضی جائزہ لیا جائے تو تحریکِ آزادئ نسواں کے علمبرداروں کے دعوے مبالغہ انگیز نظر آتے ہیں۔ مغرب کی مادّی اور سائنسی ترقی کے پس پشت کارفرما دیگر عوامل مثلاً جارحانہ مسابقت، مادّی ذرائع پر قبضہ کی ہوس، طبیعاتی قوانین کو جاننے کا جنون، مغربی استعمار کو نوآبادیات پر مسلط رکھنے کا عزم، ایشیا اور افریقہ کی منڈیوں پر قبضے کی جدوجہد، مغرب کی نشاۃِ ثانیہ کے بعد مغربی معاشرے میں علوم و فنون میں آگے بڑھنے کا جذبہ، سرمایہ دارانہ نظام میں کام کی بنیاد پر ترقی کی ضمانت، منڈی کی معیشت وغیرہ جیسے عوامل نے جو کردار ادا کیا ہے، اس کا نئے سرے سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

قومی ترقی کے لئے کیا عورتوں کا ہر میدان میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا ناگزیر ہے؟ اس اہم سوال کا جواب 'ہاں' میں دینا بے حد مشکل ہے۔ اگر عورت اپنے مخصوص خاندانی فرائض کو نظر انداز کرکے زندگی کے ہر میدان میں شرکت کرے گی تو خاندانی ادارہ عدمِ استحکام کا شکار ہوجائے گا اور خاندانی ادارے کے عدمِ استحکام میں آنے کے منفی اثرات زندگی کے دیگر شعبہ جات پر بھی پڑیں گے۔ مغرب میں یہ نتائج رونما ہوچکے ہیں!!

اکیسویں صدی میں انسانی تہذیب کو جن فتنوں کا سامنا کرنا پڑے گا، ان میں تحریکِ آزادئ نسواں (Feminism) کا فتنہ اپنے وسیع اثرات اور تباہ کاریوں کی بنا پر سب سے بڑا فتنہ ہے۔ مغرب میں عورتوں کو زندگی کے مختلف شعبہ جات میں جس تناسب اور شرح سے شریک کر

www.KitaboSunnat.com

لیا گیا ہے، اگر یہ سلسلہ یونہی جاری رہا تو دنیا ترقی کی موجودہ رفتار کو ہرگز برقرار نہیں رکھ سکے گی بلکہ اگلے پچاس سالوں میں انسانی دنیا زوال اور انتشار میں مبتلا ہو جائے گی۔ جو لوگ عورت اور ترقی کو باہم لازم وملزوم سمجھتے ہیں، انہیں یہ پیش گوئی مجذوب کی بڑ، رجعت پسندی اور غیر حقیقت پسندانہ بات معلوم ہو گی، لیکن اکیسویں صدی کے آغاز پر انسانیت جس سمت میں رواں دواں ہے، بالآخر اس کی منزل یہی ہو گی۔

پاکستان اور دیگر ترقی پذیر ممالک کو اس حقیقت کا اِدراک کر لینا چاہئے کہ مغرب کی اندھی تقلید میں خاندانی اداروں کو تباہ کر لینے کے باوجود وہ اُن کی طرح مادی ترقی کی منزلیں طے نہیں کر سکتے۔ مزید برآں مغربی ممالک کی سائنسی و صنعتی ترقی کلیتاً عورتوں کی شرکت کی مرہونِ منت نہیں ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ برطانیہ، فرانس، جرمنی، ہالینڈ، پرتگال، سپین اور دیگر یورپی ممالک اس وقت بھی سائنسی ترقی کے قابل رشک مدارج طے کر چکے تھے جب ان ممالک میں عورتوں کو ووٹ دینے کا حق نہیں ملا تھا۔ ۱۸۵۰ء تک صنعتی انقلاب نے پورے یورپی معاشرے میں عظیم تبدیلی برپا کر دی تھی۔ ۱۹۰۰ء تک مذکورہ بالا یورپی اقوام نے افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ کے بیشتر ممالک کو اپنا غلام بنا لیا تھا۔ جنگِ عظیم دوم سے پہلے ان ممالک میں عورتوں کا ملازمتوں میں تناسب قابل ذکر نہیں تھا۔ یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جنگِ عظیم دوم میں مرنے والے کروڑوں مردوں کے خلا کو پر کرنے کے لئے یورپی معاشرے میں عورتوں کے بادلِ نخواستہ باہر نکلنے کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

ترقی اور جاپان

آج کے دور میں جاپان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جاپان کی صنعتی ترقی اور انڈسٹری نے امریکہ اور یورپ کو منڈی کی معیشت میں عبرت ناک شکستیں دیں۔ ۱۹۹۰ء سے پہلے جاپان کی اشیا نے امریکہ اور یورپ کی منڈی کو اپنے شکنجہ میں کسا ہوا تھا۔ ۱۹۹۰ء سے پہلے تک جاپانی معاشرہ مغرب کی Feminism تحریک کے اثراتِ فاسدہ سے محفوظ تھا۔ حیران کن صنعتی ترقی کے باوجود جاپانی معاشرے نے اپنی قدیم روایات اور خاندانی اَقدار کو قابل رشک انداز میں برقرار رکھا۔ امریکہ اور یورپی ممالک جاپان کے 'مینجمنٹ' کے اصولوں سے

www.KitaboSunnat.com

اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنی نصابی کتب میں جاپان کے اُصولوں کو شامل کیا۔ امریکہ اور یورپ کے صنعت کار جب جاپانی صنعت کاروں کا مقابلہ نہ کرسکے تو بالآخر انہوں نے جاپانی معاشرے کی ثقافت اور اَقداری نظام کو بدلنے کی سازش تیار کی۔

۱۹۹۰ء کے عشرے میں مغربی میڈیا نے جاپانی ثقافت پر مغربی تہذیب کی یلغار شروع کی۔ امریکہ اور یورپی ممالک نے جاپان کو Open کرنے کے لئے مسلسل جاپانی حکومتوں پر دباؤ ڈالے رکھا۔ صدر ریگن اور جارج بش نے جاپانی راہنماؤں سے ہر ملاقات میں اس شرط کو دہرایا کہ جاپان سے ہر سال ایک مخصوص تعداد میں اَفراد امریکہ اور یورپی ممالک کی سیر کریں۔ جاپانی سینماؤں اور ٹیلی ویژن پر امریکی فلمیں اور ثقافتی پروگرام شروع کرنے کا دباؤ بھی ڈالا گیا۔ جاپان کی معروف صنعتی فرموں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے ایگزیکٹوز کو یورپ اور امریکہ کی سیر پر جانے کی ترغیب دیں۔ اس طرح کے سینئر مینیجرز کے لئے دیگر سفری الاؤنس کے ساتھ ایک نوجوان دوشیزہ کو اپنے ساتھ رکھنے کے الاؤنس بھی منظور کرائے گئے۔ امریکی ہوٹلوں نے جاپانی سیاحوں کو رعایتی نرخ پر سہولیات اور شباب و کباب کی تعیّشات مہیا کیں۔ امریکیوں نے ملازمتوں میں مساوی حقوق کی شرط بھی جاپان سے منوائی۔ جاپان میں عورتوں کو اب بھی نسبتاً غیر پیداواری سمجھا جاتا ہے۔

۱۹۹۶ء میں ہفت روزہ 'ٹائم' میں ٹویوٹا کمپنی کے چیئرمین کا انٹرویو راقم الحروف کی نگاہ سے گزرا تھا جس میں امریکی صحافی نے ٹویوٹا میں عورتوں کی تعداد نہایت کم ہونے کی وجہ دریافت کی تھی۔ اس کے جواب میں ٹویوٹا کے چیئرمین کا جواب نہایت دلچسپ تھا، اس نے کہا تھا:

"We have already enough decoration flowers in our company"

یعنی ''ہمارے ہاں پہلے ہی سجاوٹی پھول کافی ہیں۔''

۱۹۹۰ء کے بعد جاپانی معاشرے پر مغربی تہذیب اور Feminism کے اَثرات جس تناسب سے بڑھے ہیں، اُسی رفتار سے ان کی صنعتی رفتار میں کمی واقع ہوئی ہے اور آج جاپان جو ماضی قریب میں بہت بڑا صنعتی دیو سمجھا جاتا تھا، اس کے بارے میں پیش گوئیاں کی جارہی ہیں کہ اس کی معیشت مستقبل قریب میں شدید بحران کا شکار ہوجائے گی۔ اس کی بنکوں کی

www.KitaboSunnat.com

صنعت آج کل بحران سے گزر رہی ہے۔ اس کی کمپیوٹر کی صنعت جس نے امریکی صنعت کاروں کے ہوش اڑا دیئے تھے، آج کل سست رفتاری کا شکار ہے۔ جاپان کی مایہ ناز ثقافتی اَقدار کا جنازہ نکل رہا ہے۔ نوجوانوں میں جنسی جرائم میں اضافہ ہو گیا ہے۔ معاشرہ سخت کشمکش سے دوچار لگتا ہے۔ جاپان کی نوجوان نسل میں محنت کی بجائے فیشن پرستی، آزاد روی اور آوارگی میں اضافہ ہو رہا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے جاپان کے متعلق ایک تعجب انگیز خبر پڑھنے کو ملی تھی۔ وہ یہ کہ جاپانی حکومت اپنی آمدنی میں اضافہ کرنے کے لئے ان عورتوں پر بھی ٹیکس لگانے کا قانون بنا رہی ہے جو اب تک گھروں میں بیٹھی ہوئی ہیں اور ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔ IMF اور مغرب کے معاشی جادوگر پریشان حال جاپانیوں کو یہ پٹی پڑھا رہے ہیں کہ اگر تم اپنی معیشت کو سنبھالا دینا چاہتے ہو تو اپنی عورتوں کو گھروں سے باہر نکالو۔ بے حد تعجب ہے، جاپانی قیادت اُن کے اس فریب کے جال میں پھنسی ہوئی ہے!!

خاندانی اقدار کی تباہی

ادھر سکنڈے نیویا کے ممالک جہاں سیاست اور ملازمت میں عورتوں کا تناسب پوری دنیا کے مقابلے میں زیادہ ہے، وہاں خاندانی اَقدار کی تباہی نے انہیں پریشان کر رکھا ہے۔ وہاں عورتیں گھر کو 'جہنم' سمجھتی ہیں، ماں بننے سے گریز کرتیں اور بچوں کی نگہداشت پر توجہ نہیں دیتی ہیں۔ انہیں گھر سے باہر کی زندگی کا ایسا چسکا پڑا ہوا ہے کہ وہ گھریلو زندگی کو اَپنانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بے نکاحی ماؤں اور حرامی بچوں کا سب سے زیادہ تناسب سکنڈے نیویا میں ہے۔ لندن سے شائع ہونے والے شہرۂ آفاق ہفت روزہ 'اکانومسٹ' نے ۲۳ جنوری ۱۹۹۹ء کی اشاعت میں A Survey of Nordic Countries کے عنوان سے سکنڈے نیویا کے پانچ ممالک ناروے، سویڈن، ڈنمارک، فن لینڈ اور آئس لینڈ کے متعلق ایک تفصیلی جائزہ شائع کیا ہے۔ یہ ممالک جو Feminism تحریک کے بہت زیادہ زیر اثر ہیں اور جہاں عورتوں اور مردوں کی مساوات کو بے حد مضحکہ خیز طریقہ سے قائم کرنے کی صورتیں نکالی جاتی ہیں، ان کے متعلق بعض حقائق بے حد تعجب انگیز اور عبرتناک ہیں۔ مثلاً اکانومسٹ کے مذکورہ سروے میں ناروے کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہاں کی حکومت جوان لڑکیوں کو 'ماں' کی

www.KitaboSunnat.com

ترغیب دینے اور بچوں کی دیکھ بھال کرنے کے لئے مالی فوائد Incentives بہم پہنچانے کے لئے قانون پارلیمنٹ میں پیش کر چکی ہے۔ اس قانون کا بنیادی مقصد اِن عورتوں کو گھر میں بیٹھنے کی ترغیب اور حوصلہ افزائی بتایا گیا ہے۔ اس قانون کی مخالفت محض انتہا پسندوں کی ایک اقلیت کر رہی ہے جن کا زیادہ تر تعلق لیبر پارٹی سے ہے۔ وہ اسے صنفی مساوات کے اُصولوں کے منافی قرار دیتے ہیں۔ ناروے کے بارے میں ایک اور بات بھی تعجب سے کم نہیں کہ اس ملک کے وزیراعظم Bendevic کا تعلق کرسچین ڈیمو کریٹک پارٹی سے ہے، جو ماضی میں پادری رہ چکے ہیں۔ پاکستان کے آزادئ نسواں کے اِن جنونی علمبرداروں کو ناروے کی مثال پر غور کرنا چاہئے جو عورتوں کو گھر میں بٹھانے کی ہر بات کو رجعت پسند ملا کی ناروا ہدایت سمجھ کر مسترد کر دیتے ہیں۔

عالمی معیشت

زندگی کے تمام شعبوں میں عورتوں کی غیر ضروری شمولیت نے جہاں سماجی اور اخلاقی برائیوں کو جنم دیا ہے، وہاں عالمی معیشت پر بھی منفی اثرات مرتب کئے ہیں۔ عالمی معیشت کو دو واضح خانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یعنی مینوفیکچرنگ اور سروسز (اشیا سازی اور خدمات)۔ گذشتہ پندرہ بیس برسوں میں عالمی معیشت میں سروس سیکٹر کے تناسب میں اضافہ ہوا ہے۔ امریکہ کی ۷۰ فیصد معیشت سروس سیکٹر پر مشتمل ہے۔ سروس سیکٹر کے پھلنے پھولنے کی ایک اہم وجہ لیبر فورس میں عورتوں کے تناسب میں اضافہ بھی ہے۔ ہوٹل، بنک، جنرل سٹور، کمپیوٹر، اور دیگر خدمات بہم پہنچانے والے اداروں میں عورتوں کی ملازمتوں کا تناسب بہت زیادہ ہے۔ امریکہ اور یورپ کے ممالک میں ہر سال جو نئی ملازمتیں نکل رہی ہیں، ان میں عورتوں کی کھیپ مردوں سے زیادہ ہے۔ سروسز سیکٹر میں اضافے سے خام قومی پیداوار میں تو بظاہر اضافہ ہوا ہے لیکن بالآخر اس کے نتائج حقیقی ترقی کے لئے ضرر رَساں ثابت ہوں گے کیونکہ فقط خدمات، اشیا سازی کے بغیر قومی ترقی میں اضافہ نہیں کر سکتیں!!

آزادئ نسواں اور ویلفیئر سٹیٹ

تحریکِ آزادئ نسواں اور مساوی حقوق کے فتنہ نے امریکہ، یورپ اور بالخصوص سکنڈے

www.KitaboSunnat.com

نیویا کے ممالک کی فلاحی ریاست کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ ۱۹۵۰ء کے عشرے میں ان ممالک میں جس طرح ریاست کے وسیع فلاحی منصوبے سامنے آئے تھے، ان میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا۔ ۱۹۹۰ء کے بعد سے یہ صورت ہو گئی ہے کہ برطانیہ، ناروے، سویڈن وغیرہ ویلفیئر پر اٹھنے والے اخراجات میں مسلسل کمی کر رہے ہیں کیونکہ ان اخراجات کی وجہ سے ان کے بجٹ خسارے میں جارہے ہیں۔ یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ ان ممالک کے فلاحی اخراجات کا بیشتر حصہ عورتوں پر خرچ ہوتا ہے۔ سکنڈے نیویا کے ممالک میں فلاحی اخراجات کی سب سے بڑی مد بچوں کے Day Care مراکز کا قیام، اور بے نکاحی ماؤں کی مالی امداد کے متعلق ہے۔ ان ترقی یافتہ ممالک میں علاج و صحتِ عامہ کی بہتر سہولیات کی وجہ سے شہریوں کی اَوسط عمر میں اضافہ ہوا ہے جس کی وجہ سے پنشنرز کی تعداد میں ہوش رُبا اضافہ ہو گیا ہے۔

چونکہ عورتوں کی اَوسط عمر میں اضافہ مردوں کی نسبت زیادہ ہوا ہے، اسی لئے پنشن پر اٹھنے والے اخراجات کا زیادہ حصہ بھی عورتوں پر ہی خرچ ہوتا ہے۔ ان معاشروں میں جنسی بے راہروی کا تناسب خطرناک حد تک زیادہ ہے، جس نے مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی صحت پر زیادہ منفی اثرات مرتب کئے ہیں۔ اسقاطِ حمل اور مانع حمل ادویات سے عورتوں کی صحت متاثر ہوئی ہے، مزید برآں زچگی کے دوران بھی ریاست فلاحی ضرورتوں کی کفالت کرتی ہے۔ لائف انشورنس کے لئے ریاست کو عورتوں پر نسبتاً زیادہ خرچ برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق سکنڈے نیویا میں عورتوں پر اُٹھنے والے مجموعی اخراجات کا حجم قومی ترقی میں ان کے شراکتی حصہ سے کہیں زیادہ ہے۔ ورکنگ ویمن اپنی آمدنی کے علاوہ مردوں کی آمدنی کا بھی خاصا حصہ خرچ کر ڈالتی ہیں۔ ان کی آمدنی کا زیادہ تر حصہ کسی تعمیری کام میں لگنے کی بجائے بناؤ سنگھار اور نمود و نمائش پر ہی خرچ ہوتا ہے۔ اکانومسٹ کے سروے کے مطابق سکنڈے نیویا میں سنہری دور کا خاتمہ ہونے کو ہے۔

علامہ اقبالؒ نے آج سے ستر برس قبل یورپ کے متعلق کہا تھا:

یہی ہے فرنگی معاشرے کا کمال
مرد بے کار و زَن تہی آغوش

www.KitaboSunnat.com

"مرد بے کار پھر رہے ہیں اور عورتوں کی گود خالی ہے کیونکہ وہ ماں بننے کیلئے آمادہ نہیں ہیں"

یہ صورتحال پہلے سے کہیں زیادہ واضح ہو کر ہمارے سامنے آئی ہے۔ ۱۹۹۷ء میں 'اکانومسٹ' نے 'عورت اور کام' کے عنوان سے مفصل سروے شائع کیا تھا۔ اس سروے میں امریکہ کے مختلف شہروں کے متعلق عورتوں کی ملازمت کے اَعداد و شمار دیئے گئے تھے۔ اس سروے میں یہ نتیجہ اَخذ کیا گیا تھا کہ گذشتہ تین برسوں میں جو نئی آسامیاں نکلی ہیں، ان کا تعلق سروس سیکٹر سے ہے جن میں زیادہ تر عورتوں کو ملازمتیں ملی ہیں۔ اس سروے کے مطابق ملازم عورتوں کی تعداد بڑھنے کی وجہ سے مردوں کی بے روزگاری میں خطرناک اِضافہ ہو گیا ہے۔ عورتوں کے متعلق یہ دلچسپ صورت بھی بیان کی گئی تھی کہ وہ دفتروں میں کام کے لئے صبح سویرے نکل کھڑی ہوتی ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے خاوند بچوں کی دیکھ بھال کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ اِسی سروے میں ایک تصویر شائع ہوئی تھی جس میں گھر کی دہلیز پر ایک عورت اپنا بچہ اپنے خاوند کے حوالے کر رہی ہے اور خود اس دہلیز کے باہر قدم رکھ رہی ہے۔ اس سروے میں ایک اور بات بھی قابل ذکر تھی کہ جس محلہ کی عورتیں کام کو سدھار جاتی ہیں تو پیچھے اُن کے مرد گھر پر بیٹھے مکھیاں مارتے رہتے ہیں اور اس محلہ کے بچوں میں جرائم کا تناسب بڑھ گیا ہے۔ کیونکہ جس طرح مائیں بچوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھتی ہیں، مرد وہ توجہ نہیں دے پاتے۔ مختصراً یہ کہ اگر عورتوں کی ملازمت کے نتیجے میں مردوں میں بے روزگاری پھیلتی ہے، تو یہ کسی بھی ملک کی مجموعی ترقی پر منفی اثرات مرتب کرے گی۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایک ملک کی آبادی سو فیصد تعلیم یافتہ تو ہو سکتی ہے لیکن سو فیصد تعلیم یافتہ لوگوں کو روزگار مہیا کرنا ممکن نہیں ہے۔ اگر تمام تعلیم یافتہ خواتین و حضرات اپنا مقصدِ تعلیم حصولِ ملازمت بنالیں، تو ان کی اچھی خاصی تعداد کو بے روزگار رہنا پڑے گا۔ اس کے مقابلے میں اگر خواتین تعلیم کو حاصل کریں، مگر اپنے گھر کے نظم و نسق اور بچوں کی پیدائش و نگہداشت سے رُوگردانی نہ کریں، گھر سے باہر کے معاملات مردوں کے لئے چھوڑ دیں، تو اس صورت میں اس قوم کا خاندانی شیرازہ بھی قائم رہے گا اور پڑھے لکھے افراد میں ملازمت کا توازن بھی متاثر نہیں ہو گا۔ عورتوں کی ملازمتوں میں برابری پر زور دینے کی بجائے اگر مردوں کی تنخواہوں میں خاطر

www.KitaboSunnat.com

خواہ اضافہ کر دیا جائے تو یہ معاملہ پہلے سے کہیں بہتر ہو گا۔

پاکستان اور ترقی

پاکستان میں مغرب کے اتباع اور مساواتِ مرد و زن کی غلط تعبیر کے نتیجے میں قومی دولت کا کثیر سرمایہ غیر پیداواری مدات میں خرچ ہو رہا ہے۔ چند سال پہلے لاہور ہائیکورٹ نے میڈیکل کالجوں میں لڑکیوں کے لئے مخصوص کوٹہ کو مساوات کے اُصول کے منافی قرار دیتے ہوئے اسے ختم کرنے کا حکم صادر کیا۔ جس کا نتیجہ یہ سامنے آیا ہے کہ بعض کالجوں میں طلبہ کی نسبت طالبات کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے مثلاً علامہ اقبال میڈیکل کالج میں۔ باوجود یکہ طالبات کے لئے فاطمہ جناح میڈیکل کالج کی سہولت الگ سے موجود ہے، ہائیکورٹ کو طالبات کے لئے الگ کالج کی سہولت میں تو 'عدمِ مساوات' کی بات دکھائی نہ دی البتہ دیگر مخلوط کالجوں میں ان کی عدمِ مساوات کا خاص خیال رکھا گیا۔ پاکستان کے معروضی حالات میں طالبات کی نسبت میڈیکل کے طلبہ کی زیادہ ضرورت ہے۔ میڈیکل کی طالبات کی اکثریت فارغ التحصیل ہونے کے بعد ملازمت نہیں کرتی۔ اگر کوئی خاتون ڈاکٹر ملازمت اختیار بھی کر لے تو لاہور، ملتان اور راولپنڈی جیسے بڑے شہروں سے باہر تعیناتی کے لئے بھی تیار نہیں ہوتیں۔ پنجاب میں شاید ہی کوئی بنیادی ہیلتھ مرکز ہو جہاں کوئی لیڈی ڈاکٹر کام کر رہی ہو۔ لاہور میں میو ہسپتال، جناح ہسپتال اور سروسز ہسپتال میں لیڈی ڈاکٹرز کی بھرمار ہے۔ جہاں ایک کی ضرورت ہے وہاں کم از کم چار کام کر رہی ہیں۔ گویا چار کی تنخواہ لے رہی ہیں اور کام ایک کے برابر کر رہی ہیں۔ ان کی اکثریت چونکہ غیر پیداواری ہے، اسی لئے وہ قومی خزانہ پر بوجھ ہیں۔ ہماری اعلیٰ عدالتوں کو میڈیکل کالج میں لڑکیوں کے لئے 'اوپن میرٹ' کا تصور قائم کرنے کے ساتھ ساتھ ملازمتوں میں ان کی تعیناتی کے متعلق مساوات کو بھی یقینی بنانا چاہئے۔ بڑے شہروں سے باہر ملازمت نہ کرنے کے لئے وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اکیلی عورت ناساز گار ماحول میں بغیر کسی محرم مرد کے کس طرح کام کرے گی؟ یہ گویا بالواسطہ اعتراف ہے اس بات کا کہ عورتیں وہ سب کام نہیں کر سکتیں جو مرد سرانجام دے سکتے ہیں۔ مگر کھلے لفظوں میں کوئی بھی خاتون یہ اعتراف کرنے کے لئے تیار نہیں ہے کیونکہ اسے وہ اپنی شکست سمجھتی ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

راقم الحروف نے متعدد محکمہ جات میں خواتین کو کام کرتے دیکھا ہے، ان میں سے ایک بھی ایسی نہیں ہے جو پیداواری صلاحیت کے اعتبار سے مرد ملازمین کے برابر کارکردگی کا مظاہرہ کرتی ہو۔ ان میں سے شاید ہی کوئی ایسی ہو جس کی خانگی زندگی بری طرح متاثر نہ ہوئی ہو۔ ایک ایسے ملک میں جہاں کے نوجوان بے روزگاری کے بحران سے دوچار ہوں، وہاں ایسے شعبہ جات میں عورتوں کی تعیناتی جہاں مرد بھی کام کرسکتے ہوں، قوم کے معاشی مسائل میں اضافہ کا باعث بنتی ہے۔ ایک لڑکے کا بے روزگار رہنا لڑکی کے بے روزگار رہنے سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ لڑکے پر مستقبل میں ایک پورے کنبہ کی کفالت کا بوجھ پڑنا ہوتا ہے۔ جبکہ خاندان کی معاشی کفالت عورت کی سرے سے ذمہ داری ہی نہیں ہے۔

عورتوں کی ملازمت کے متعلق ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ آج کل مہنگائی کے دور میں میاں بیوی دونوں کا برسرروزگار ہونا خاندان کے مجموعی وسائل میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ بعض استثنائی صورتوں میں تو شاید یہ بات درست ہو لیکن مجموعی اعتبار سے یہ مفروضہ مغالطہ آمیز ہے۔ ایک ملازم خاتون اپنی تنخواہ سے کہیں زیادہ یا کم از کم اِس کے قریب قریب اپنے لباس کی تیاری، میک اَپ، ٹرانسپورٹ، اپنے بچوں کی دیکھ بھال کے لئے آیا کے بندوبست، گھر میں نوکرانی کی تنخواہ وغیرہ پر خرچ کرنے پر مجبور ہوجاتی ہے۔ ایک سترہ گریڈ کے افسر کی ماہانہ تنخواہ چھہزار سے زیادہ نہیں ہوتی۔ جبکہ مذکورہ اخراجات اس سے کہیں زیادہ ہوجاتے ہیں۔ اس کے علاوہ گھر میں عدمِ سکون، بے برکتی اور بدنظمی کا سامنا الگ کرنا پڑتا ہے۔ ایک ملازم پیشہ عورت خود بھی پریشان ہوتی ہے اور اپنے خاوند اور بچوں کو بھی پریشان کرتی ہے۔ ایسی صورت میں وہ قومی ترقی میں کوئی مثبت کردار کیسے اَدا کرسکتی ہے۔ یہاں یہ ذکر کرنا بھی مناسب ہوگا کہ ملازم عورتیں اپنے خاوندوں کا بہت سارا وقت برباد کردیتی ہیں۔ وہ دعویٰ تو 'برابری' کا کریں گی، لیکن انہیں دفتر لے جانے اور لے آنے کی ذمہ داری ان کے خاوند ہی کو نبھانی پڑے گی۔ گویا اُن کی ملازمت کی وجہ سے اُن کے خاوند بھی اچھی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کرپاتے۔

ترقی یافتہ معاشروں میں معاشی ترقی کی رفتار میں ٹھہراؤ یا کمی آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے

www.KitaboSunnat.com

کہ وہاں کی افرادی قوت میں نوجوان طبقہ کی تعداد میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ کام کے قابل افرادی قوت میں کمی کا سبب وہاں کی عورتوں میں بچے پیدا نہ کرنے کا رجحان ہے۔ پاکستان میں ۴۵ رفیصد آبادی پندرہ سال سے کم عمر افراد پر مبنی ہے جبکہ ترقی یافتہ ملکوں میں بوڑھوں کے تناسب میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اب اگر وہ نئی صنعتیں قائم کرنا چاہیں، نئے منصوبہ جات لگانا چاہیں تو ان کے پاس مطلوبہ افرادی قوت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ، کینیڈا اور دیگر ممالک ہر سال لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کو درآمد کرتے ہیں اگر ان ممالک سے ایشیائی اور افریقی محنت کشوں کو نکال دیا جائے تو یہ سخت معاشی بحران سے دوچار ہو جائیں گے۔ یہ ایک تناقض فکر ہے کہ ترقی یافتہ ممالک ترقی پذیر ممالک میں آبادی کے اضافہ کے رجحان پر سخت تشویش میں مبتلا رہتے ہیں، لیکن ان ترقی پذیر ممالک کی اضافی آبادی ہی ہے جو اُن کی معیشت کو سنبھالے ہوئے ہے۔

امریکہ میں عورت

عالمی ذرائع ابلاغ امریکی عورت کی جو تصویر آج کل پیش کر رہے ہیں، چند دہائیاں قبل امریکی سماج میں عورت کا یہ روپ ہرگز نہ تھا۔ جنگِ عظیم دوم کے بعد امریکہ میں زبردست تحریک شروع ہوئی کہ عورتوں کو کارخانوں اور دفتروں کی ملازمت سے نکال کر واپس خانہ داری کے اُمور کی طرف راغب کیا جائے۔ امریکی دانشوروں نے عورت کے لئے ممتا کے کردار کو نہایت قابل احترام بنا کر پیش کیا اور کہا کہ خانگی معاملات کو ان کی پہلی ترجیح ہونا چاہئے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں امریکہ میں اُمورِ خانہ داری پر اس قدر زور دیا گیا کہ اسے بعد کے مؤرخ Ultra-domesticity یعنی 'بے تحاشا خانہ داری' کا عشرہ کہہ کر پکارنے لگے، اور یہ بات بھی حیران کن ہے کہ یہی دور امریکی معاشرے کی خوشحالی اور معاشی ترقی کے اعتبار سے 'زرّیں دور' خیال کیا جاتا ہے۔

آج امریکہ کے سلیم الطبع دانشور جو مادر پدر آزاد نسل کے رویے سے بے حد پریشان ہیں، وہ ۱۹۵۰ء کی دہائی کو امریکی معاشرے کے لئے ماڈل (نمونہ) قرار دیتے ہیں۔ ان کا فلسفہ یہی ہے کہ گھر عورت کی جنت ہے، معاشرے کا اجتماعی سکون گھریلو ماحول کو پرسکون رکھے بغیر ممکن نہیں ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے عورت کا گھر پر رہنا ضروری ہے۔ اس موضوع پر

www.KitaboSunnat.com

راقم کی نگاہ سے متعدد کتابیں گزری ہیں، مگر ان میں سے ایک کتاب تو ایسی ہے کہ جسے پہلی دفعہ پڑھ کر حیرت واستعجاب کے ساتھ عجیب روحانی نشاط بھی محسوس ہوا۔اس کتاب کا عنوان ہے:

"A Lesser life: The Myth of Women's Liberation"

یعنی ''حیاتِ کمتر: عورتوں کی آزادی کا واہمہ''

مذکورہ کتاب کی مصنفہ ایک امریکی خاتون سلویا این ہیولٹ (Sylvia Ann Hewlett) ہیں جو برطانیہ کی کیمبرج یونیورسٹی اور امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی سے اعزاز کے ساتھ تعلیم مکمل کر چکی ہیں، وہ اکنامکس میں پی ایچ ڈی ہیں اور امریکہ کی 'اکنامک پالیسی کونسل' کی ڈائریکٹر ہیں۔ نیویارک ٹائمز میں باقاعدگی سے لکھتی ہیں اور نصف درجن کتابوں کی مصنفہ ہیں۔ میرے خیال میں وہ پاکستان کی انسانی حقوق کی علمبردار کسی بھی خاتون سے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں۔ عورتوں کی ملازمت کے حوالے سے پیش آمدہ مسائل ان کی دلچسپی کا خاص محور رہے ہیں وہ عورتوں کے حقوق کی علمبردار تو ہیں مگر 'تحریکِ آزادئ نسواں' کے نظریات سے اختلاف رکھتی ہیں کیونکہ اس تحریک نے عورتوں کے مسائل حل کرنے کی بجائے ان میں اضافہ کیا ہے۔ ہیولٹ نے اپنی اس کتاب کے ایک باب کا عنوان رکھا ہے:

"Ultra-domesticity: The return to Hearth and Home"

یعنی ''بے تحاشا خانہ داری؛ گھر کی طرف مراجعت''

یہ تمام کا تمام باب پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں اس سے چند ایک اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ ہیولٹ صاحبہ لکھتی ہیں:

"In the United States the picture was dramatically different. In the 1950's Women with college degrees in the child-bearing group had a lower rate of employment than any other group of Women, for the plain fact was Women with college degrees were ofien married to prosperous men. And in America in the fifties, if the family could afford it, the wife stayed at home."

''ریاست ہائے متحدہ کا منظر ڈرامائی طور پر مختلف تھا۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں کالجوں سے فارغ التحصیل وہ نوجوان خواتین جو بچے پیدا کرنے کی عمر رکھتی تھیں، ان میں ملازمت کی شرح عورتوں کے کسی بھی دوسرے گروہ سے کم تھی۔اس کی سادہ سی وجہ یہ تھی کہ کالجوں سے فارغ

www.KitaboSunnat.com

التحصیل عورتوں کی شادیاں اکثر خوشحال مردوں سے ہوجاتی تھیں۔ پچاس کے عشرے میں اگر خاندان اس بات کا متحمل ہوتا تو بیوی گھر ہی میں رہتی تھی۔'' (صفحہ:۱۵۳)

مندرجہ بالا انگریزی عبارت میں "Stayed at home" کے الفاظ کو قرآنِ مجید کے مقدس الفاظ {وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ} کی روشنی میں پڑھئے تو اسلام کی آفاقی صداقتوں کے تصور سے دل سرشار ہوجاتا ہے۔ ہیولٹ ۱۹۴۵ء اور اس کے بعد امریکی عورتوں کے حالات لکھتے ہوئے بیان کرتی ہیں:

''۱۹۴۵ء میں امریکی عورتیں جتنی بااختیار تھیں، اس سے پہلے اتنی بااختیار کبھی نہ تھیں مگر جنگِ عظیم دوم کے بعد آنے والے برسوں میں ایک عجیب بات سامنے آئی۔ امریکہ جو کہ آزاد اور طاقتور عورتوں کا گڑھ سمجھا جاتا تھا، اس پر خانہ داری کے جذبات عجیب طور پر حملہ آور ہوگئے۔ پھر یوں ہوا کہ لاکھوں عورتوں نے ایسا طرزِ زندگی اپنالیا جو مکمل طور پر خاندان اور گھر پر مرکوز تھا۔ ملک کی تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ ہوا کہ تعلیم یافتہ عورتوں سے یہ توقع کی جاتی اور ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی کہ وہ اپنی زندگی کے بہترین (Prime) سال اور اپنی بہترین توانائیاں گھریلو کاموں اور ممتا کا کردار نبھانے پر صرف کریں۔

مابعد جنگ کے یہ سال عجیب رجحان کے حامل تھے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی ایک عجب دور تھا، اس میں یوں ہوا کہ عورتوں نے پہلے سے نسبتاً چھوٹی عمر میں شادیاں کرنا اور بچے پیدا کرنا شروع کردیے، وہ اپنی تعلیم اور ملازمت کو بھی درمیان میں چھوڑ کر ایسا کرنے لگیں۔ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۰ء کی دہائیوں میں امریکی عورتوں کی شادی کرنے کی اوسط عمر ۲۳ تھی، جو ۱۹۵۰ء میں کم ہو کر ۲۰ رہ گئی۔ کسی بھی دوسرے ترقی یافتہ ملک میں شادی کرنے کی صنفی طور پر اوسط عمر اس قدر کم نہ تھی۔ شرح پیدائش میں بھی تیزی سے اضافہ ہوا۔ ۱۹۵۰ء کے آخری سالوں میں امریکہ میں شرح پیدائش میں اضافہ یورپ کے مقابلے میں دگنا جبکہ افریقہ اور انڈیا کے برابر تھا۔ یہ دور جو ۱۹۶۰ء تک رہا، اس میں تیسرے بچے کی پیدائش کی شرح دوگنی ہوگئی، چوتھے بچے کی شرح میں تین گنا اضافہ ہوگیا۔ خاندانی زندگی سے محبت کی اس دہائی میں طلاق کی شرح کسی حد تک کم ہوگئی۔'' (صفحہ ۱۵۲، ۱۵۳)

ہیولٹ کے درج ذیل الفاظ پڑھ کر تو شاید قارئین کو اعتبار نہ آئے۔ آخر یہ کیونکر ہوا کہ امریکی لڑکیوں نے تعلیمی اعزازات پر منگنی کی انگوٹھیوں کو ترجیح دینا شروع کردی۔ ان کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے:

www.KitaboSunnat.com

''مختصراً یہ کہ ملازم پیشہ امریکی عورتیں (پروفیسر، وکلا، ڈاکٹر وغیرہ) کا تناسب ۱۹۵۰ء میں جنگ سے قبل کے سالوں کی نسبت انتہائی کم تھا اور امریکی عورتوں کا ملازمت کو بطورِ پیشہ اختیار کرنے کا رجحان اپنی یورپی بہنوں کی نسبت بہت ہی کم تھا۔ حتیٰ کہ امریکہ کے اعلیٰ درجہ کے کالجوں میں سب نوجوان طالبات کی آرزو یہ تھی کہ وہ گریجویشن کرتے ہی اعلیٰ تعلیمی اعزازات کی بجائے اپنی انگلیوں میں منگنی کی ہیرے کی انگوٹھی پہن سکیں۔ امریکی عورتیں عام طور پر بچوں کی پیدائش سے پہلے جاب کرتی تھیں یا پھر اس وقت جب ان کے بچے ہائی سکول میں داخل ہوجاتے تھے، مگر وہ ملازمتوں کو شاذ و نادر ہی مستقل پیشہ بناتی تھیں۔ امریکہ میں پچاس کی دہائی میں عورتیں اپنی بہترین توانائیاں اور خانہ داری اور بچوں کی دیکھ بھال میں خرچ کرتی تھیں۔'' (صفحہ:۱۵۳)

۱۹۵۰ء کی دہائی میں امریکی معاشرہ نسوانی فطرت کی حقیقت کی بہت حد تک عکاسی کرتا تھا۔ اس معاشرے میں خاندان اپنی بچیوں کو تعلیم اس غرض سے دلاتے تھے تاکہ ان کے رشتے اچھے گھرانوں میں ہوجائیں نہ کہ انہیں اچھی ملازمت ملے۔ پاکستان میں بھی آج بہت سے خاندان ایسے ہیں کہ اگر ان کی بچیوں کے لئے اچھے رشتے میسر آجائیں تو وہ ان کی کالج یا یونیورسٹی کی تعلیم اُدھوری چھوڑ کر شادی کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ بڑی عمر کی لڑکیوں کے لئے مناسب رشتوں کا حصول ایک بہت بڑا معاشرتی مسئلہ ہے۔ امریکی مصنفہ نے تعلیمی اسناد کے مقابلے میں منگنی کی ہیرے کی انگوٹھیوں کو ترجیح دینے کی بات کر کے نوجوان طالبات کے رومانوی خوابوں کی دنیا میں اُتر کر جھانکا ہے۔ وہ کیونکہ خود ایک عورت ہیں، اسی لئے خواتین کی رومانوی ترجیحات کو بخوبی سمجھتی ہیں۔

ہیولٹ کہتی ہیں کہ جنگِ عظیم کے بعد امریکی عورتیں بہترین تعلیم یافتہ تھیں اور کسی بھی ترقی یافتہ معاشرے کی عورت کے برابر تھیں۔ تو پھر وہ پوچھتی ہیں کہ انہوں نے اپنی آزادانہ خواہشات کو ترک کرکے گھریلو زندگی کو کیوں اپنایا۔ اس کا جواب وہ خود دیتی ہیں:

''اُمورِ خانہ داری کی طرف یہ زبردست رجحان نتیجہ تھا حکومت کی ان پالیسیوں کا جو اس نے جنگِ عظیم کے بعد اپنائیں۔ اس میں اہم ترین پالیسی عورتوں کے روایتی کردار کی زبردست حوصلہ افزائی تھی۔ معاشی حکمتِ عملی وضع کرنے والوں کے پیش نظر یہ بات تھی کہ عورتوں کو ترغیب دی جائے کہ جنگ کے دنوں میں انہوں نے جو کام اختیار کئے تھے، اس کو چھوڑ کر

www.KitaboSunnat.com

گھروں کی راہ لیں تا کہ وہ مرد جو میدانِ جنگ سے واپس آئیں ان کیلئے روز گار مہیا ہو سکے۔ ۱۹۴۶ء تک ۱۴۰ لاکھ سے زیادہ عورتوں کو پیداواری اداروں کی ملازمت سے چھٹی کرادی گئی۔"

ہیولٹ لکھتی ہیں:

"Both persuation and coercion were used to lure Women away from their jobs."

"عورتوں کو ملازمتوں سے دور رکھنے کیلئے ترغیب اور جبر دونوں طریقے استعمال کئے گئے۔"

امریکی حکومت نے ایک نیا قانون (G-1 Bill) متعارف کرایا جس کے ذریعے عورتوں کو ملازمت چھوڑنے پر معاشی فوائد کا لالچ دیا گیا۔ ان پالیسیوں کا نتیجہ کیا نکلا:

"نتیجتاً، امریکہ میں جنگ کے بعد کا زمانہ عظیم خوشحالی کا زمانہ تھا، ۱۹۴۰ء کی دہائی کے آخری سالوں میں معیشت بہت متاثر کن شرح سے ترقی کر رہی تھی۔ ۱۹۴۵ء اور ۱۹۵۵ء کے درمیان خام قومی پیداوار دو گنا بڑھ گئی۔ ہم اپنی تاریخ کے عظیم ترین عروج کے ادوار میں سے ایک دور میں داخل ہو گئے۔" (صفحہ: ۱۵۵)

مذکورہ امریکی قانون نے چھوٹی عمر میں شادی کرنے اور بچے پیدا کرنے والی عورتوں کے لئے مالی منفعت کے سامان پیدا کئے۔ (صفحہ: ۱۵۷)

ہمارے وہ دانشور جو آج عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ ہر میدان میں کام کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں اور اسے معاشی ترقی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، انہیں چاہئے کہ ۱۹۵۰ء کے عشرے میں امریکی معاشرے اور اس کی عدیم النظیر اس ترقی کا بھی جائزہ لیں۔

ہیولٹ نے ایک مضمون "The Tender Trap"(1955) سے اقتباس نقل کیا ہے۔ اس کی یہ سطر دیکھئے:

"A Women is not a Women untill She has been married and had children."

"ایک عورت جب تک شادی نہ کرے اور بچے نہ پیدا کرے وہ عورت ہی نہیں ہے۔"

وہ مزید لکھتی ہیں:

"پچاس کی دہائی میں امریکی میڈیا آزادئ نسواں کی علمبردار عورتوں کو سخت تنقید کا نشانہ بناتا تھا، یہ عورتیں سابقہ سالوں کی پیشہ ور لڑکیاں تھیں۔"

امریکہ میں تحریکِ آزادئ نسواں کو آگے بڑھانے میں بیٹی فریڈن Betty Friedan کا

www.KitaboSunnat.com

نام بہت معروف ہے۔ ۱۹۵۷ء میں اس نے اپنی کلاس فیلوز کے حوالہ سے ایک تحقیقی سروے کیا کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کیا کر رہی ہیں۔ ہیولٹ نے اس کا حوالہ دیتے ہوئے فرائیڈن کے سروے کے نتائج کو صفحہ ۱۶۰ پر یوں بیان کیا ہے:

''۱۹۵۷ء میں بیٹی فرایڈن نے اپنی کتاب The Femine Mystique کے متعلق ریسرچ کرتے ہوئے سمتھ کالج میں ۱۹۴۲ء میں پڑھنے والی اپنی کلاس فیلوز کے متعلق سروے کیا۔ وہ چاہتی تھی کہ دیکھے اس کی ہم جماعت لڑکیاں اب کیا کر رہی ہیں۔ اس نے دیکھا کہ یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکیاں مکمل طور پر مائیں اور بیویاں بننے میں غرق تھیں۔ ۱۸۹ عورتوں میں سے جنہوں نے سوالنامے واپس کئے، ۱۷۹ شادی شدہ تھیں، ۶ غیر شادی شدہ، ایک بیوہ اور تین طلاق یافتہ تھیں۔ صرف ۱۱ کے بچے نہ تھے۔ اوسطاً ہر عورت کے تین بچے تھے، ۵۴ عورتوں کے ۴ یا اس سے زائد بچے تھے۔ سمتھ کالج کی ان گریجویٹ لڑکیوں کی اکثریت 'ہاؤس وائف' (گھر ہستن) تھی۔ حتیٰ کہ وہ عورتیں جن کے بچے سکول میں تھے، انہیں بھی باہر کے ماحول میں دلچسپی کم ہی تھی، انہوں نے ۱۹۵۰ء کی دہائی کی اس دانش کو مکمل طور پر اپنی سوچ کا حصہ بنا لیا تھا جس کی رو سے فیملی اور ملازمت کو ساتھ ساتھ چلانا ممکن نہیں ہے۔ ۱۸۹ میں سے صرف ۱۲ ایسی تھیں جو ہمہ وقتی ملازمت کرتی تھیں اور صرف ایک ہی خاتون ایسی تھی جو اپنی ملازمت کو بطورِ پیشہ اپنانے میں بے حد سنجیدہ تھی۔ چند ایک ایسی بھی تھیں جو جزوقتی کام کرتی تھیں۔''

ہیولٹ نے اپنے مضمون کا خاتمہ "The Saturday Evening Post" کے ۱۹۶۲ء میں شائع شدہ مضمون کی ان سطور پر کیا ہے:

"To make a women completely content it takes a man, but the chief purpose of her life is motherhood, (p.163)

''ایک عورت کو مکمل طور پر سکون کے حصول کے لئے ایک مرد کی ضرورت ہے، مگر اس کی زندگی کا بنیادی مقصد ماں کا کردار (ممتا) ہے۔'' (صفحہ: ۱۶۳)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ امریکی معاشرے کی یہ تصویر 'انسانی حقوق کے اعلامئے' (۱۹۴۸ئ) کے بعد کی ہے، جس کی رو سے عورت اور مرد کو مساوی قرار دیا گیا تھا، ابھی مساوی حقوق کا 'فتنہ' برپا نہیں ہوا تھا۔

امریکہ میں ۱۹۶۰ء کی دہائی میں تحریکِ آزادئ نسواں کا دوسرا دور شروع ہوا۔ جنسی انقلاب کے سیلاب نے روایتی معاشرے کی شاندار اقدار کو خس و خاشاک کی طرح بہا دیا۔ خاندانی

www.KitaboSunnat.com

اقدار کو نشانہ بنایا گیا۔ خاندان جو پہلے عورت کے لئے جنت تھا، اب اسے عورت کے استحصال کا ذریعہ بنا کر پیش کیا گیا۔ گھریلو زندگی کے روایتی کاموں کو دقیانوسی ظاہر کیا گیا۔ عورت کو گھر سے نکل کر مرد کا مقابلہ کرنے کی ترغیب دی گئی۔ ایسے افلاطون میدان میں کود پڑے جنہوں نے جعلی تحقیقات سے یہ 'ثابت' کرد کھایا کہ عورت ہر اعتبار سے مرد کے نہ صرف برابر ہے، بلکہ اس سے بہتر ہے۔ مرد کو ظالم اور بھیڑیا بنا کر پیش کیا گیا۔ نسوانیت اور حیا کو عورت کے زیور کی بجائے اس کی غلامی کی زنجیریں قرار دیا گیا۔ مرد کی غلامی سے آزادی کے لئے عورتوں کی اقتصادی آزادی کا نعرہ لگایا گیا۔

بیٹی فرائیڈن کی کتاب "Feminine Mystique" (1963) نے عورتوں کی آزادی کے نئے تصور کو مقبول بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ عورتوں میں بغاوت اور تصادم کے نظریات رواج پانے لگے۔ گھروں کا سکون تلپٹ ہو گیا۔ 'عورتوں کے حقوق' کے نام پر فساد انگیزی پر مبنی لٹریچر سے بازار اَٹ گئے۔ ذرائع ابلاغ نے نئے راگ الاپنا شروع کر دیئے۔ عورت کی آزادی کے علمبرداروں نے عورت کو گھر سے نکال کر منڈی کی چیز بنادیا، اس کا استحصال کیا گیا مگر وہ اسے 'آزادی' سمجھتی رہی۔ آج امریکہ میں خاندانی ادارہ تباہی کے آخری کنارے پر ہے، ان کے دانشوروں کو سمجھ نہیں آرہی کہ اس ادارے کو تباہی سے کیونکر بچایا جائے۔ مگر یہی امریکی دانشور مسلمان ممالک کے خاندانی نظام کو تباہ کرنے کے لئے بے چین نظر آتے ہیں۔ آج یہودی منصوبہ ساز مسلمان ممالک کی پسماندگی کی وجہ یہ قرار دے رہے ہیں کہ وہاں عورتوں کو ترقی کے عمل میں شریک نہیں کیا جارہا۔ این جی اوز کے ذریعے عورتوں کے حقوق کے نام پر اُنہیں خاندان کے پرسکون ماحول سے نکالنے، ان کے اندر ممتا کا احساس ختم کرنے اور انہیں 'مرد' بنانے کی سازشیں عروج پر ہیں۔ ابھی چند دن پہلے روزنامہ 'جنگ' میں حسن نثار کا کالم نگاہ سے گذرا جس میں انہوں نے عرب معاشرے کی پسماندگی کے متعلق مغربی دانشوروں کی کانفرنس کی رپورٹ نقل کی جس میں بتایا گیا کہ عرب معاشرے اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتے جب تک وہاں کی عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کام نہیں کرتیں!

پاکستانی عورت اور ترقی کا نصب العین

'حکومت اور سیاسی عمل میں مساویانہ بنیادوں پر شرکت' تحریک حقوقِ نسواں کا شروع سے

www.KitaboSunnat.com

مطالبہ رہا ہے۔ خواتین کے حقوق کی علمبردار مغرب زدہ تنظیموں کا خیال ہے کہ اگر قانون ساز اداروں میں خواتین کو کم از کم ۳۳ فیصد نمائندگی مل جائے تو وہ نہ صرف معاشرے میں سے صنفی امتیاز کا خاتمہ کر سکتی ہیں بلکہ خواتین کے حقوق کے منافی بنائے جانے والے قوانین کے خاتمے اور ایسے نئے قوانین کے اجرا کا راستہ بھی روک سکتی ہیں۔

پاکستان میں ۲۰۰۲ء کے انتخابات میں پاکستانی خواتین کو قانون ساز اداروں میں ابتدائی طور پر ۱۷ فیصد نمائندگی سے نوازا گیا۔ اس وقت سینٹ، قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں ۲۳۳ عورتیں موجود ہیں۔ ۷۴ قومی اسمبلی میں، ۸۷ سینٹ میں؛ پنجاب اسمبلی میں ۷۳، سندھ اسمبلی میں ۳۳، سرحد اسمبلی میں ۲۳ جبکہ بلوچستان اسمبلی میں خواتین کی تعداد ۱۲ ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خواتین کو اسمبلیوں میں اس قدر زیادہ نمائندگی دینے کے باوجود عام پاکستانی عورت کی حالت میں کوئی نمایاں تبدیلی واقع ہوئی ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق روزنامہ نوائے وقت میں رفیعہ پاشا اور بشریٰ محمد نے مشترکہ طور پر تحریر کردہ اپنے مضمون میں یوں تبصرہ کیا ہے:

"اتنی بڑی تعداد میں خواتین کے اسمبلیوں میں پہنچنے کے بعد توقع تھی کہ ملک کی نصف آبادی کی نمائندہ عام عورت کے حقوق کے تحفظ اور تشدد ناانصافی سے نجات دلانے کے لئے ترجیحی بنیادوں پر یہ کام شروع کریں گی اور اسمبلیوں کے اندر پارٹی سیاست سے بالاتر ہو کر خواتین کے ایشوز پر متحد ہو کر آواز بلند کریں گی لیکن خاتون اراکینِ اسمبلی کی ۱۵ ماہ کی کارکردگی بیان بازی سے آگے نہیں بڑھی اور عملی سطح پر کسی جماعت کی خواتین نے کوئی کارکردگی نہیں دکھائی۔

انتخابات سے قبل خواتین کی مختلف حقوق کی تنظیموں کی طرف سے منعقد کئے گئے پروگرام میں ہر جگہ تمام سیاسی جماعتوں کی خواتین نے اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ وہ خواتین کے ایشوز پر دباؤ کو خاطر میں نہیں لائیں گی۔ تاہم اسمبلیوں میں جانے کے بعد وہ اپنے اس عزم پر قائم نہیں رہ سکیں۔ عام پاکستانی عورت جو ظلم و تشدد، استحصال و غربت، ناخواندگی، ناانصافی، فرسودہ روایات و اقدار اور امتیازی رویوں کا شکار ہے، ہر گزرے دن کے ساتھ اس کے دکھوں اور مصائب اور مشکلات جبکہ عورتوں کے حقوق کے تحفظ اور ان کی تقدیر بدلنے کا نعرہ لگا کر اسمبلیوں میں نمائندگی حاصل کرنے والی خواتین کی تنخواہوں اور مراعات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔" (نوائے وقت، ۸ مارچ ۲۰۰۴ئ)

وہ مزید لکھتی ہیں: "مجموعی طور پر عام عورت کو ریلیف دینے کے حوالے سے خواتین

www.KitaboSunnat.com

پارلیمنٹرین کی کارکردگی صفر رہی ہے۔''

ان خواتین صحافیوں کی نگاہ میں خواتین پارلیمنٹرین کی طرف سے کسی نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسمبلیوں کے اندر خاتون اراکین کو مرد اراکین اسمبلی کی طرف سے شدید مخالفت اور تنقید کا سامنا ہے۔ وہ خاتون اراکین کی حیثیت مقام اور مرتبے کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں اور کسی خاتون کی طرف سے کوئی تحریک پیش کرنے یا قانون کا بل پیش ہونے پر انہیں طنز و مزاح کا نشانہ بناتے ہیں۔ (ایضاً)

ہمارے خیال میں خواتین کی اسمبلیوں میں 'صنفی کارکردگی' نہ دکھانے کا سبب مردوں کی طرف سے ان کی مخالفت یا تنقید نہیں ہے۔ اگر پاکستان میں ۱۷ فیصد کی بجائے ۷۷ فیصد خواتین کو اسمبلیوں میں بٹھا دیا جائے تب بھی ان کی یہ نمائندگی پاکستانی خواتین کی اس ترقی کے ضامن نہیں بن سکتی جس کا یہ خواب دیکھتی ہیں۔ بنیادی طور پر یہ تصور ہی غلط ہے کہ سیاست میں خواتین کی عملی شرکت سے ہی عورتیں ترقی کر سکتی ہیں۔ یہ مغرب کا تصور ہے جو انہوں نے پسماندہ ممالک کیلئے پیش کیا ہے، ورنہ ان کے ہاں عورتوں کی پارلیمنٹ میں جب نمائندگی نہ ہونے کے برابر تھی، تب بھی وہاں کی عورت ترقی یافتہ تھی۔ امریکہ، برطانیہ، فرانس اور جرمنی سمیت ایک بھی ترقی یافتہ ملک ایسا نہیں جہاں عورتوں کو ۳۳ فیصد نمائندگی حاصل ہو۔

پاکستان کی اسمبلیوں میں لبرل اور مغرب زدہ خواتین کے ساتھ متحدہ مجلس عمل کی خواتین اراکینِ اسمبلی بھی موجود ہیں۔ اسلامی مزاج رکھنے والی ان خواتین کی موجودگی کا اور کوئی عملی فائدہ ہو یا نہ ہو، یہ ضرور ہوا ہے کہ وہ مغرب زدہ خواتین کی طرف سے حدود آرڈیننس اور دیگر اسلامی قوانین کے خلاف کی جانے والی کوششوں کی بھرپور مزاحمت کر رہی ہیں۔ انہوں نے ان مٹھی بھر افرنگ زدہ عورتوں کے اس دعویٰ کو بھی باطل ثابت کیا ہے کہ وہ تمام پاکستانی خواتین کی نمائندگی کرتی ہیں۔

پاکستانی عورتوں کی ملکی ترقی میں شانہ بشانہ کردار کی بات ہو یا عورتوں کے حقوق کے تعین کا معاملہ ہو، پاکستانی مسلمانوں کو فیصلہ کرنا ہے کہ وہ ان جدید چیلنجوں کا حل مغربی معاشرے کی پیروی میں سمجھتے ہیں یا ان مسائل کے حل کے لئے اُنہیں اسلام سے رہنمائی طلب کرنی چاہئے جو کہ آفاقی دین ہے اور جس کی تعلیمات ہر زمانے کے لئے ہیں۔ اسلامی فریم ورک میں رہتے ہوئے مادّی ترقی کا حصول ہی ہمارا نصب العین ہونا چاہیے۔

www.KitaboSunnat.com

اسلامی اقدار اور ہمارے خاندانی اداروں اور روایات کی قیمت پر اگر پاکستانی عورت ترقی کی منازل طے کرتی ہے تو یہ سراسر خسارہ کی بات ہے۔ اسلام نے عورت اور مرد کے فرائض مختلف قرار دیئے ہیں۔ عورت کا اصل مقام اس کا گھر ہی ہے، البتہ بعض استثنائی صورتوں میں وہ بعض شرائط کی تکمیل کے ساتھ گھریلو زندگی کے دائرے کے باہر بھی فرائض انجام دے سکتی ہے۔ عورتوں کے حقوق کے نام پر کام کرنے والی تنظیمیں جو رول ماڈل (نمونہ) پیش کررہی ہیں، وہ سراسر مغرب کی بھونڈی نقالی پر مبنی ہے جس کا نتیجہ معاشرتی اور خاندانی نظام کی تباہی کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا۔ اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ پاکستانی معاشرے میں عورتوں کے حقوق کا بعض صورتوں میں خیال نہیں رکھا جاتا، مگر ان حقوق کی بازیابی کا وہ تصور اور حل بے حد خطرناک ہے جو این جی اوز پیش کررہی ہیں۔ اسلام نے حیا اور عفت کو عورت کا زیور قرار دیا ہے، اس سے محروم ہو کر کوئی عورت اسلام کی نگاہ میں 'ترقی یافتہ' نہیں ہوسکتی۔ ہمیں 'ترقی' کے وہ معیارات پیش نظر رکھنے ہوں گے جو اسلام کے اخلاقی نصب العین پر پورے اُترتے ہوں۔

امریکہ اور یورپ کی تاریخ گواہ ہے کہ مادّی ترقی کے حصول کے لئے عورتوں کا مردوں کے ساتھ شانہ بشانہ شریک ہونا نہ صرف ناپسندیدہ بلکہ غیر ضروری بھی ہے۔ ملکی ترقی میں عورت کا شاندار کردار یہ ہے کہ وہ خاندانی زندگی کے نظام کو اس انداز میں سنبھال لے کہ اجتماعی طور پر معاشرہ استحکام حاصل کرے۔ خاندان کی اندرونی زندگی کو اُجاڑ کر دفتروں اور فیکٹریوں کے ماحول کو رونق بخشنے سے ترقی کا توازن قائم نہیں رکھا جاسکتا۔ مغربی معاشرہ آج اسی عدمِ توازن کا شکار ہے۔ عورتیں تعلیم کی روشنی سے بھی اپنی روح کو منور کریں، انہیں صحت کی سہولیات بھی ہر ممکن حد تک پہنچائی جائیں۔ ان سے ہونے والی ناانصافی کے خاتمہ کی جدوجہد بھی ضرور کی جائے، مگر ان سب باتوں کے ساتھ ان کی پہلی ترجیح خاندانی زندگی کو استحکام بخشنا ہو۔ اگر وہ تعلیم حاصل کریں، اس کا مقصد کسی فیکٹری کے چیف ایگزیکٹو کی پرائیویٹ سیکرٹری بن کر عملاً اس کی تنخواہ دار داشتہ کا کردار ادا کرنا نہ ہو، نہ ہی وہ تعلیم کو محض ملازمت کے حصول کا ذریعہ سمجھیں۔ تعلیم ایک مرد کے لئے معاش کا ذریعہ ہوسکتی ہے، مگر عورت کو اس لئے تعلیم یافتہ ہونا چاہئے تاکہ وہ اپنے بچوں کی مناسب تعلیم و تربیت کا خیال رکھ سکے، ان میں علم کی روشنی

www.KitaboSunnat.com

منتقل کرسکے اور اپنے گھر کی 'چراغِ خانہ' بن کر اس کی دیواروں کو علم کی روشنی سے منور کرسکے۔

جب ہم کہتے ہیں کہ عورت کو گھریلو زندگی کو اپنی پہلی ترجیح سمجھنا چاہئے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ دنیا سے الگ تھلگ ہو کر زندگی بسر کرے۔ آج کا معاشرہ بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ بڑے متمدن شہروں میں پرورش پانے والی عورتوں سے یہ توقع کرنا کہ وہ کوہستانی قبائل کی عورت کی طرح زندگی بسر کریں، ایک ناقابل عمل خواہش ہوگی۔ شہری زندگی میں ایسے مواقع بھی کم نہیں ہوتے جہاں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے پر مجبور نہیں ہوتیں۔ گھریلو زندگی سے باہر اگرچہ عورتوں کے ہی مخصوص تعلیمی، تبلیغی، رفاہی اور سماجی حلقوں میں عورت بھرپور انداز میں شریک ہوسکتی ہے لیکن ان حلقوں میں شرکت کو اسے پیشہ ورانہ مشغولیت کی صورت ہرگز نہیں دینی چاہئے تاکہ خاندانی زندگی نظرانداز نہ ہو۔

'عورت اور ترقی' کے حوالہ سے ہمارے دانشوروں کو بہت بڑا چیلنج درپیش ہے کہ وہ ملکی ترقی میں جدید پاکستانی عورت کے کردار کے حوالہ سے ایسا فریم ورک تشکیل دیں جس میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اعلیٰ انسانی قدروں کا رنگ بھرا جاسکے اور جو مرد اور عورت کے مخصوص دائرہ کار کے اس تصور کی روشنی میں پیش کیا جاسکے جس میں معاشرے کی مادّی واخلاقی دونوں طرح کی ترقی کے مقاصد کا حصول ممکن ہو۔ (محمد عطاء اللہ صدیقی)

جادو کے موضوع پر ماہنامہ 'محدث' اور روزنامہ 'دِن' میں قسط وار چھپنے والے مضامین

شریر جادو گروں کا قلع قمع کرنے والی تلوار

مکمل ۸ حصے

قیمت 40 روپے

مکمل ترین صورت میں، کتابی شکل میں

خوبصورت لیمونگ | دیدہ زیب طباعت | چار رنگہ سرورق

جادو کے موضوع پر سب سے بہترین کتاب!

☆ عربی زبان میں اس کتاب کے دسیوں ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔ اردو میں آسان، سادہ اور رواں ترجمہ پہلی بار

☆ جادو گروں کی علامات، بچاؤ کی تدبیریں، مختلف جادوؤں کے توڑ صرف قرآن اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں

☆ آسان طرزِ تحریر..... ہر بات نکات وار..... جابجا مثالیں اور عملی نمونہ جات..... ہر بات بادلیل اور باحوالہ

دفتر محدث + مکتبہ قدوسیہ + نعمانی کتب خانہ + اُردو بازار کے دینی کتب خانوں پر محدود تعداد میں دستیاب ہے!

بذریعہ ڈاک منگوانے پر ۶۰ روپے ☆ ۳۰ رمئی تک ۳ سال کیلئے محدث جاری کرانے پر مُفت

www.KitaboSunnat.com

حدیث وسنت

مولانا عبدالصمد رفیقی

انبیاء ہی معیارِ حق کیوں؟

'نبوت و رسالت' بڑا اہم، نازک اور عالی شان منصب ہے۔ اس منصب کے تین خاصے وحی ہدایت، معصومیت اور واجب الاتباع ہونے پر سطورِ ذیل میں ہم گزارشات پیش کرتے ہیں:

ان پہلوؤں کا آپس میں گہرا ربط ہے کیونکہ ایک نبی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہدایت آتی ہے جس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ معصوم ہو، تاکہ اس کے ذریعے ایک غلط بات بندوں تک نہ پہنچنے پائے اور چونکہ وہ معصوم ہوتا ہے لہٰذا وہی معیارِ حق اور آخری واجب الاتباع ہوتا ہے، اس کی تصدیق وتائید اور غیر مشروط اطاعت واتباع فرض کی حیثیت رکھتی ہے۔

عصر حاضر میں زوالِ اُمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نے نبوت و رسالت کے ان خاصوں کو افرادِ امت میں بانٹنا شروع کردیا ہے۔ جب کوئی اُمت اپنے نبی اور رسول کی اطاعت کرنا چھوڑ دے تو ذلت ورسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ

'نبی' کا معنی ومفہوم

'نبی' عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے 'خبر دینے والا۔' چونکہ ایک نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کی نوعیت رکھنے والی مختلف خبریں حاصل کرتا اور انہیں اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے، اس لئے اسے نبی کہا جاتا ہے۔ ان خبروں کو {أَنْبَاءِ الْغَيْبِ} یعنی غیب کی خبریں کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر محض حس و عقل کے ذریعے ان خبروں کا علم ہوتا ہے، نہ ہوسکتا ہے۔ (دیکھئے: آلِ عمران: ۴۴)

نبی کی بات کی صداقت ضروری ہے: کسی نبی کے ذریعے ان خبروں کا علم ہوجانے کے بعد ان کی صداقت پر ایمان لانا ضروری ہوجاتا ہے خواہ یہ خبریں ماضی کی ہوں یا حال واستقبال کی۔ انسان کی حس و عقل کے دائرے میں آئیں یا نہ آئیں۔ چنانچہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ نے

www.KitaboSunnat.com

علاماتِ قیامت کے ضمن میں دجالِ اکبر کی آمد کا ذکر کیا اور فرمایا:

”وہ (ادھر زمین میں) چالیس روز رہے گا۔ پہلا دن سال جتنا، دوسرا ایک ماہ کے برابر، تیسرا ایک ہفتے کے مساوی اور باقی ۳۷ دن تمہارے (عام) دنوں کی طرح ہوں گے۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ”یارسول اللہؐ! یہ دن جو سال برابر ہو گا، کیا اس میں ہمیں ایک دن کی نمازیں پڑھنی ہوں گی؟“ آپؐ نے فرمایا: ”نہیں بلکہ تم (ہر چوبیس گھنٹوں کے لئے پانچ نمازوں کے اوقات کا) اندازہ لگانا۔“ (صحیح مسلم: حدیث ۷۳۷۳)

شیخ محمد بن صالح عثیمینؒ فرماتے ہیں:

”دیکھیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ کی زبانِ اقدس سے ایک غیبی خبر سن کر کس طرح اس کی تصدیق فرمائی۔ انہیں معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ انسانی فکر و نظر کی ہر حد سے بلند و بالا ہے۔ اس لئے انہوں نے یہ سوال نہیں اٹھایا: ”بھلا دن ایک سال کے برابر کیسے ہو سکتا ہے؟“ اس کے برعکس اُنہوں نے نماز سے متعلق ایک شرعی مسئلہ پوچھا کیونکہ وہ اس کے مکلف تھے......

اور اس لحاظ سے یہ حدیثِ شریف نبی اکرم ﷺ کی سچائی کی ایک بہت بڑی دلیل ہے کہ آج بھی بعض قطبی علاقوں میں چھ چھ ماہ کا دن اور اتنی لمبی رات ہوتی ہے۔ ایسے علاقوں میں یہ حدیث نماز کے حوالے سے ایک اہم دینی ضرورت کو پورا کرتی ہے حالانکہ آج سے ہزاروں سال قبل جب نبی اکرم ﷺ نے یہ خبر دی تھی تب یہ صورتِ حال معلوم نہیں تھی۔ سچ فرمایا ربّ العٰلمین نے: ”آج کے دن میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو بطورِ دین پسند کر لیا ہے۔“ (ملخص از مجموع فتاویٰ و رسائل: ۲/۱۷، ۱۸)

'رسول' کا معنی و مفہوم

'رسول' بھی عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: قاصد، بھیجا ہوا، پیغام پہنچانے والا (یوسف: ۵۰) فرشتوں کے سردار جبریل امین علیہ السلام کو بھی 'رسول' کہا گیا ہے۔ (التکویر: ۱۹ تا ۲۱) کیونکہ آپؑ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے انبیاء و رسل تک پہنچاتے رہے۔ نبی اکرم ﷺ بھی اللہ کے رسول ہیں کیونکہ آپ اللہ کی وحی اس کے بندوں تک پہنچانے پر مامور تھے۔ (المائدۃ: ۵۶/۶۷) چنانچہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر میدانِ عرفات میں آپ کا خطبہ حج سننے والے ایک لاکھ سے زائد افراد نے (بیک زبان) گواہی دی۔ 'آپ نے ہم تک اللہ کا

www.KitaboSunnat.com

پیغام پہنچادیا، امانت ادا کردی، اور خیر خواہی کا حق ادا کردیا۔" (سنن ابی داود؛ ۱۹۰۵)

الغرض نبی اور رسول اُس مقدس ہستی کو کہتے ہیں جسے اللہ ربّ العٰلمین نے پسند کرلیا ہو (الاعراف: ۱۴۴، ۱۴۵) تاکہ اس کے ذریعے اپنا پیغام (کتاب و حکمت) اپنے بندوں تک پہنچائے۔ ماننے والوں کو جنت کی بشارت دے اور نہ ماننے والوں کو جہنم سے ڈرائے، لوگوں میں پائے جانے والے اختلافات کا فیصلہ کرے اور انہیں راہِ ہدایت سے آگاہ کرے۔ (البقرۃ: ۲۱۳) اس اہم ترین مشن کے لئے اللہ تعالیٰ جس ہستی کو پسند کرلیں، اسے چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ وہی سب سے زیادہ جانتا ہے کہ کون اس منصب کے تقاضوں پر پورا اُترے گا (الانعام: ۶/ ۱۲۴) اور اس بات کا فیصلہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کرتے ہیں کہ کس نبی کی طرف کب اور کیا وحی بھیجنی ہے۔ (صحیح بخاری؛ ۳۲۱۸)

اللہ جس خبر سے اپنے نبی کو آگاہ کردے، اُسے اسی خبر کا پتہ چلتا ہے اور جس خبر سے آگاہ نہ کرے، اسے نبی اپنے طور پر معلوم نہیں کرسکتا۔ ارشادِ باری ہے:

"کہہ دیجئے! میں نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو، آیا وہ قریب ہے یا میرا ربّ اس کے لئے کوئی مدت مقرر کرے گا۔ (الجن: ۲۵)

یہ وہ حقیقت ہے جس کی مثالوں سے کتاب و سنت کے مقدس اوراق بھرے پڑے ہیں۔

وحی ھدایت

بلاشبہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی پسند و ناپسند کا علم نبی اکرم ﷺ کے ذریعے ہوا جس کی درج ذیل شکلیں تھیں: قرآن پاک، قدسی احادیث، قولی احادیث، فعلی احادیث، تقریری احادیث، آپ کے خواب اور آپ کے اجتہادات جن کی وحی الٰہی نے حمایت یا اصلاح کی۔

❶ قرآن پاک: قرآن پاک دراصل اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو جبریل علیہ السلام کے ذریعے محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے جسے نماز وغیرہ میں پڑھنا عبادت ہے۔ جس کی مثل لانے کا اہل عرب کو چیلنج دیا گیا مگر وہ ہمیشہ اس سے عاجز رہے۔ اللہ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ آج تک اس میں زیر زبر کا فرق نہیں ڈالا جاسکا۔ ہر دور میں دنیا کے لاکھوں، کروڑوں انسان اسے پڑھتے پڑھاتے اور یاد کرتے آئے ہیں اور رہتی دنیا تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ ان شاء اللہ

www.KitaboSunnat.com

۲ حدیث قدسی: حدیثِ قدسی سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد ہے جو قرآنِ مجید میں نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے، اسی لیے نماز وغیرہ میں اس کی تلاوت کا حکم دیا گیا ہے نہ اس کی مثل لانے کا چیلنج!!

۳ قولی احادیث: یعنی نبی اکرم ﷺ کے جملہ ارشادات و فرامین خواہ ان میں حکم ہو یا حرمت، ترغیب ہو یا ترہیب، خبر ہو یا انشا، تنبیہ ہو یا نصیحت، تفصیل ہو یا جوامع الکلم۔ ارشادِ باری ہے:

{وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، إِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى} (النجم:۳،۴)

''اور وہ نہیں بولتا (اپنی) خواہش سے۔ وہ تو محض وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔''

یہاں يَتْلُوْ یا يَقْرَأُ کے بجائے {يَنْطِقُ} کا لفظ بولا گیا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تلاوتِ قرآن پاک کے علاوہ دینی امور کے بارے میں آپ کی ہر طرح کی گفتگو بھی وحی ہوتی تھی۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

''میں رسول اللہ ﷺ سے جو بات بھی سنتا، لکھ لیتا تھا تا کہ اسے محفوظ کر لوں۔ قریش کے لوگوں نے مجھے منع کیا اور کہا: تم ہر چیز لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ ﷺ انسان ہیں (کبھی) غصے اور (کبھی) خواہش کی حالت میں بولتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ میں لکھنے سے رک گیا پھر میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: (عبداللہ! ہر بات) لکھ! اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے سوائے حق کے اس (منہ) سے کچھ نہیں نکلتا۔''

(سنن ابی داود:۳۶۴۶، سلسلہ احادیثِ صحیحہ:۱۵۳۲)

۴ فعلی احادیث: یعنی نبی اکرم ﷺ کے جملہ اعمال و افعال خواہ وہ آپ کا خاصہ تھے یا اَفرادِ اُمت سے بھی مطلوب تھے اور خواہ ان کی حیثیت فرض واستحباب کی تھی یا بیانِ جواز کی۔ ارشاد ہے:

{ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا} (الجاثیہ:۱۸)

''پھر ہم نے تجھے امر (دین) کی نوعیت رکھنے والی شریعت پر لگا دیا ہے پس تو اسکی اتباع کر۔''

نیز فرمایا: ''اتباع کر اس چیز کی جو تیرے ربّ کی طرف سے تیری طرف وحی کی جاتی ہے یقیناً اللہ خبر رکھتا ہے ان کاموں کی جو تم کرتے ہو۔'' (الاحزاب:۲)

گویا نبی اکرم ﷺ کے تمام اعمال و افعال قرآن پاک کی پیروی تھے، اسی لئے جب سعد بن ہشام بن عامر رضی اللہ عنہما نے سیدہ عائشہؓ سے نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کی بابت پوچھا تو

www.KitaboSunnat.com

سیدہؓ نے فرمایا: ''کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟'' سعد نے کہا: ''جی ہاں، کیوں نہیں؟'' فرمایا: ''یہی (قرآن) اللہ کے نبی کا اخلاق تھا۔'' (صحیح مسلم: ۲۸۳۹)

۵ تقریری احادیث: 'تقریر' کا معنی ہے برقرار رکھنا اور تقریری احادیث سے مراد وہ تمام باتیں اور واقعات ہیں جو آپ کی حیاتِ طیبہ کے دوران نزولِ وحی کے زمانے میں مسلمانوں کے ہاتھوں ظاہر ہوئے مگر وحی الٰہی نے انہیں ان سے روکا، نہ نفرت دلائی۔ بلکہ خاموشی اختیار کرکے انہیں برقرار رکھا یعنی سندِ جواز مہیا کردی کیونکہ آپ کسی مسلمان کے ہاتھوں ناجائز کام ہوتا دیکھ کر خاموش نہیں رہتے تھے۔ ارشادِ باری ہے:

{یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِیْنَ} (المائدۃ: ۶۷)

''اے رسول (ﷺ)! جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے، اسے آگے پہنچادیں۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کے (اللہ کے) پیغامات نہ پہنچائے اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔ یقیناً اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔''

نبی اکرم ﷺ نے اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک کیسے پہنچایا؟ ذرا تصور کریں، مکہ کی بستی جو کفر و شرک کا گڑھ تھی، جہاں کے چوہدری اور سردار بدی کے علمبردار تھے، اس بستی میں ایک آدمی تن تنہا اٹھتا ہے اور بستی والوں کے عقائد کو ترغیب و ترہیب کے ساتھ چیلنج کرتا ہے۔ حالانکہ کسی کا عقیدہ چھیڑنا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہے مگر پیارے نبی ﷺ سرکش بھڑوں کے عین درمیان میں استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑے ہوگئے۔ طائف کے سرداروں سے بنفس نفیس ملے مگر جواب میں سنگباری ملی، جوتوں میں خون جم ہوگیا۔ کیا جو شخص کسی ملامت کی پرواہ کئے بغیر بازاروں، میلوں اور حاجیوں کی مختلف ٹولیوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتا ہو کیا اس کی بابت یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ اس نے کسی موقعہ پر اپنے ہی کسی پیروکار کے ہاتھوں ایک ناجائز کام ہوتے دیکھا مگر اس سے روکا، نہ نفرت دلائی؟

ممکن ہی نہیں تو پھر ماننا ہوگا کہ نبی اکرم ﷺ جس بات یا کام کی بابت خاموشی اختیار کریں وہ اللہ کے ہاں جائز ہوتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

''اے ایمان والو! ایسی چیزوں کی بابت سوال نہ کرو کہ اگر (ان کے حقائق) تمہارے لئے

www.KitaboSunnat.com

ظاہر کردیے جائیں تو تمہیں تکلیف دیں اور اگر تم ان کی بابت سوال کروگے جبکہ قرآن اُتارا جارہا ہے تو وہ تمہارے لئے ظاہر کردی جائیں گی۔" (المائدۃ:۵/۱۰۱)

ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "لوگو! تم پر حج فرض کردیا گیا ہے لہٰذا تم حج کرو۔" اس پر ایک آدمی نے پوچھا: "کیا ہر سال اے اللہ کے رسول (ﷺ)؟" آپ خاموش رہے۔ حتیٰ کہ اس نے تین دفعہ پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا:

"اگر میں 'ہاں' کہہ دوں تو یہ (ہر سال ہی) واجب ہوجائے اور تم اس کی طاقت نہ رکھو۔"

پھر فرمایا: "جب تک میں تمہیں (تمہارے حال پر) چھوڑے رکھوں تم مجھے چھوڑے رکھو (خواہ مخواہ سوال نہ کرو) تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنے نبیوں کے پاس آکر بکثرت سوال کرتے تھے۔ جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اپنی استطاعت کے مطابق اسے سرانجام دو اور جب کسی چیز سے منع کردوں تو اسے چھوڑ دو۔" (صحیح مسلم:۳۲۵۷)

مزید فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تم پر کچھ فرائض عائد کئے ہیں، انہیں ضائع نہ کرو، کچھ حدیں مقرر کی ہیں انہیں نہ پھلانگو، کچھ چیزوں کو حرمت بخشی ہے انہیں پامال نہ کرو اور کسی بھول کے بغیر (محض) تم پر شفقت کرتے ہوئے کچھ چیزوں کی بابت خاموشی اختیار کی ہے پس ان کے متعلق سوال مت کرو۔ (المصباح المنیر فی تہذیبِ تفسیر ابن کثیر:المائدۃ:۱۰۱)

نیز فرمایا: "یقیناً وہ شخص جرم کے لحاظ سے سب مسلمانوں سے بڑھ کر ہے جس نے ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو حرام نہیں تھی مگر اسکے سوال کی وجہ سے وہ حرام کردی گئی۔" (بخاری:۷۲۸۹)

❻ **سچے خواب:** انبیاء ورسل علیہم السلام کو جو خواب آتے ہیں وہ اللہ کی وحی ہوتے ہیں۔ غالباً اسی لئے نبی اکرم ﷺ سوئے ہوتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُنہیں جگایا نہیں کرتے تھے (مبادا کوئی خواب دیکھ رہے ہوں)۔ (صحیح بخاری:۳۵۷۱) اور یہ بھی عین حقیقت ہے کہ انبیاء ورسل علیہم السلام جب نیند فرماتے تو ان کی صرف آنکھیں سوتیں جب کہ دل بیدار رہتے (صحیح بخاری:۳۵۷۰) لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں عالم خواب میں عالم بیداری کے بدلتے حالات کا پتہ چل جاتا تھا ورنہ نیند کے دوران آپؐ کی نماز قضا نہ ہوتی۔ (صحیح بخاری:۳۵۷۱)

قرآنِ پاک میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا خواب ذکر ہوا ہے جس میں وہ اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کررہے تھے۔ بیٹے نے سنا تو کہا: ابا جان! آپ (اللہ کی طرف

www.KitaboSunnat.com

سے) جس بات کا حکم دیے گئے ہیں، کر گزریں....."(الصافات:۱۰۲ تا ۱۰۵)

نبی ﷺ نے نمازِ فجر کے بعد اپنا ایک طویل خواب بیان فرمایا جس میں آپؐ کو مختلف جرائم کے مرتکب افراد کو عالم برزخ میں عذاب ہوتا دکھایا گیا تھا۔"(صحیح بخاری:۱۳۸۶)

امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ پر جب منافقین نے جھوٹا الزام لگایا تو نبی اکرم ﷺ، ان کے گھر والے اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسلسل ایک ماہ تک بڑے پریشان رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی براءت نازل فرمائی۔ سیدہؓ فرماتی ہیں:

"مجھے معلوم تھا کہ میں بری ہوں اور اللہ تعالیٰ میری براءت ضرور واضح کرے گا لیکن اللہ کی قسم! مجھے خیال تک نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ میری بابت (قرآن پاک کی) وحی نازل فرمائیں گے جو (رہتی دنیا تک) تلاوت کی جائے گی۔ میں اپنے آپ کو اس سے کہیں کم تر خیال کرتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میری بابت خود کلام فرمائیں۔ مجھے (زیادہ سے زیادہ) یہ توقع تھی کہ رسول اللہ ﷺ نیند میں کوئی خواب دیکھیں گے جس میں اللہ مجھے بری کردیں گے۔"(صحیح بخاری ر:۴۷۴۹)

یاد رہے کہ کسی اُمتی کا خواب اگر اچھا ہو تو وہ بشارت ہو گا، عام مسلمانوں کے لئے وہ شرعی حکم کی حیثیت نہیں رکھتا لہٰذا محض کسی کے اچھے خواب کی بنیاد پر کوئی نیا مسئلہ ثابت کیا جائے گا اور نہ کسی ثابت شدہ مسئلے کو باطل ٹھہرایا جائے گا۔☆

(تفصیل کے لئے دیکھیں: امام نووی کی شرح صحیح مسلم:۱/۱۸)

نبی اکرم ﷺ کے اجتہادات: پیش آمدہ مسائل میں آپ عموماً وحی کا انتظار فرمایا کرتے تھے تاہم بسا اوقات اپنے دینی علم و فہم کی روشنی میں اجتہاد بھی فرماتے جس کی وحی الٰہی حمایت یا اصلاح کردیتی تھی کیونکہ جس طرح یہ ناممکن ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک غلط کام دیکھیں اور غلطی کی نشاندہی نہ کریں، اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ کسی اجتہادی امر میں بتقاضائے بشریت آپ سے کوئی لغزش ہو اور وحی الٰہی اس کی اصلاح نہ کرے۔ واللہ اعلم!

ارشادِ باری ہے: {فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا}(الطور:۴۸)

"پس یقیناً تو ہماری نگاہوں میں ہے۔"

☆ امتی کے خواب کی تعبیر اجتہاد کی قبیل سے ہو گی۔ اگر خواب کی کئی تعبیریں ہو جائیں تو جو تعبیریں درست ہوں گی، ان میں سے پہلی تعبیر وقوع پذیر ہو جائے گی۔ (محدث)

www.KitaboSunnat.com

مزید فرمایا: ''اس غالب مہربان پر بھروسہ کر جو تجھے دیکھتا ہے جب تو اُٹھتا ہے اور سجدہ کرنے والوں میں تیری بدلتی حالتوں کو بھی دیکھتا ہے۔'' (الشعرائ:۲۱۷تا۲۱۹)

ہجرتِ مدینہ کے بعد جب مسجدِ اقصیٰ کو قبلہ بنایا گیا تو آپؐ کی خواہش تھی کہ خانہ کعبہ ہی کو مستقل قبلہ بنا دیا جائے یہ آپ کی خواہش تھی۔ آپؐ نے کئی دفعہ آسمان کی طرف دیکھا گویا وحی کا انتظار فرمارہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف آپؐ کی خواہش کے مطابق خانہ کعبہ کو مستقل قبلہ بنا دیا بلکہ یہ بھی بتادیا کہ ہم تیرے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھتے رہے ہیں: فرمایا: {قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآئِ} (البقرۃ:۱۴۴) ''یقینا ہم دیکھتے ہیں آسمان میں تیرے چہرے کا پھرنا۔''

ایک نابینا شخص نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! مجھے مسجد تک لانے والا کوئی نہیں، اس نے گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت چاہی آپؐ نے رخصت دے دی۔ جب وہ مڑ کر واپس جانے لگا تو آپؐ نے اسے بلایا اور فرمایا: 'کیا اذان سنتے ہو؟' اس نے کہا: 'ہاں' تو فرمایا: ''تو پھر نماز میں حاضر ہو۔'' (صحیح مسلم:۱۴۸۶)

جنگِ اُحد کے بعد جب آپؐ نے نماز کے دوران قنوتِ نازلہ میں بعض مخصوص افراد کا نام لے کر بددعا فرمائی تو آپؐ کو روک دیا گیا: (آل عمران:۱۲۸ و صحیح بخاری:۴۰۶۹)

جب آپ نے جنگِ تبوک کے موقع پر بعض لوگوں کے عذر سن کر انہیں پیچھے رہنے کی اجازت دے دی تو تنبیہ آگئی:

''اللہ نے آپؐ سے درگزر کیا، آپ نے انہیں اجازت کیوں دی؟'' (التوبہ:۴۳)

دراصل ایک نبی اور اُمتی کی اجتہادی خطا میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی نبی کی اجتہادی خطا کو باقی نہیں رہنے دیتی بلکہ اصلاح کردیتی ہے تاکہ ایک ایسی چیز دین نہ بننے پائے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں جبکہ امتی کی اجتہادی خطا بعض دفعہ اس کے پیروکاروں میں کچھ یوں رواج پاجاتی ہے کہ اس کی محض نشاندہی کی جائے تو گستاخی کا فتویٰ لگ جاتا ہے۔

ارشادِ باری ہے: {إِنَّا أَنْزَلْنَا الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللهُ}

''یقینا ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ (سچی) کتاب اتاری ہے تاکہ تو لوگوں کے درمیان فیصلہ کردے اس چیز کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے تجھے دکھائی ہے۔''

(النساء:۱۰۵)

www.KitaboSunnat.com

گویا آپؐ کے فیصلے محض آپ کی صوابدید کے مطابق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی رہنمائی کے مطابق نافذ ہوتے تھے، اسی لئے آپ کا ہر فیصلہ واجب الاتباع ہے۔ یہ اعزاز کسی امتی حاکم، جج، مفتی یا مجتہد کو نہیں دیا جاسکتا کیونکہ کسی اُمتی پر کوئی وحی نہیں آتی لہٰذا اس کا ہر اجتہاد حرفِ آخر ہو سکتا ہے نہ واجب الاتباع۔ چہ جائیکہ اس کے اجتہادات پر اپنا مذہب استوار کیا جائے یا فقہ کے نام پر لوگوں کو ان پر قائم رہنے کی پرزور دعوت دی جائے۔

بہرحال احتیاط اور انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ کسی بھی اختلافی مسئلہ میں کسی مخصوص فقہ کے اجتہادات پر کلی انحصار کرنے کی پالیسی ترک کرکے دل ودماغ کو وسعت دی جائے اور فقہی نقطہ ہائے نظر سے بھی استفادہ کیا جائے تاکہ ہدایت اپنی دلیل سمیت واضح ہوجائے۔

وحی ہدایت کی حفاظت

مذکورہ تصریحات سے واضح ہو گیا کہ وحی ہدایت کی ہر صورت، منجانب اللہ ہے۔ اب یہ بھی جان لیں کہ وحی الٰہی کی یہ صورتیں الحمدللہ پوری طرح محفوظ ومامون چلی آرہی ہیں۔

ارشادِ باری ہے: {إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ}(الحجر:۹)

''یقیناہم نے ذکر کو نازل کیااور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

مزید فرمایا: ''پھر یقیناہم پر ہی ہے اس کا بیان۔''(القیامہ:۱۹)

یعنی یہ کام ہمارے ذمے رہا کہ

ا۔ آپ کی زبانِ اقدس پر قرآنِ پاک کی تلاوت آسان کریں۔

ب۔ اپنے کلام کی وضاحت کریں۔

ج۔ پھر اس وضاحت کی حفاظت کا بندوبست کریں۔

اور پھر واقعی اللہ تعالیٰ نے یہ بندوبست فرمایااور خوب فرمایا۔ارشادِ باری ہے:

''اور بے شک یہ (قرآن) ربّ العالمین کانازل کردہ ہے جسے روح امین (ایک امانتدار فرشتہ جبریلؑ) لے کر نازل ہوئے، تیرے دل پر، تاکہ تو ڈرانے والوں میں (شامل) ہوجائے۔'' (الشعراء:۱۹۲تا۱۹۴)

مزید فرمایا: ''پس شان تو یہ ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) چلاتا ہے اس کے آگے پیچھے پہریدار تاکہ (دیکھ کر بھی) جان لے کہ انہوں نے (فرشتوں نے انبیا تک اور انبیانے لوگوں تک) اپنے ربّ کے

www.KitaboSunnat.com

پیغامات پہنچا دیئے ہیں اور اس نے احاطہ کر رکھا ہے (وحی کی) ہر اس بات کا جو ان (فرشتوں یا انبیاو رسل) کے پاس ہے اور اس نے شمار کر رکھا ہے ہر چیز کو گن گن کر۔'' (الجن:۲۷،۲۸)

یعنی اللہ تعالیٰ کی وحی پر اور اسے آگے پہنچانے والے فرشتوں اور نبیوں پر اضافی فرشتوں کا سخت پہرا ہوتا ہے تاکہ جب تک وحی اللہ کے بندوں تک پہنچ نہیں جاتی، اسے شیطان کی جھپٹ وغیرہ سے بچایا جاسکے۔ (واللہ اعلم)

نیز فرمایا: ''اور جب ان (کفار) پر ہماری کھلی آیات پڑھی جاتی ہیں (تو) وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے (قیامت کو نہیں مانتے) کہتے ہیں: اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آ، یا اسی کو بدل ڈال، کہہ دیجئے کہ میرے لئے (ایسا کوئی اختیار نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل ڈالوں۔'' (یونس:۱۵)

اور فرمایا: ''اور اگر وہ (محمد ﷺ) کچھ من گھڑت باتیں ہم پر کہہ ڈالتے تو ہم انہیں دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے پھر ان کی رگِ جہان کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں سے کوئی بھی رکاوٹ نہ بن سکتا۔'' (الحاقہ: ۴۴ تا ۴۷)

یعنی اگر ایسا نہیں ہوا اور یقیناً ایسا نہیں ہوا، تو پھر مان لو کہ محمد کریم ﷺ تمہیں جو کچھ سناتے اور بتاتے ہیں وہ ان کی اپنی بنائی ہوئی باتیں نہیں بلکہ ہماری نازل کردہ وحی ہے۔

صحابہ کرام ؓ جو نبی اکرم ﷺ کا لعابِ مبارک اور وضو کے قطرے بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے (صحیح بخاری ۱/۲۷۳ عروہ بن مسعود کی گواہی) وہ بھلا آپ کے الفاظ وافعال کیسے ضائع ہونے دیتے۔ جس طرح قرآن پاک نبی اکرم ﷺ کا اخلاق تھا، قرآن و حدیث صحابہ کرام کے اخلاق بن گئے، انہوں نے ان پر عمل پیرا ہو کر اپنے اخلاق و کردار اور فکر و نظر میں پوری طرح سمو لیا اور پھر نہ صرف عمل پیہم کے ذریعے ان کی حفاظت کی بلکہ حفظ و تکرار، تحریر و کتابت، درس و تدریس، وعظ و تبلیغ اور روایت و درایت کے ذریعے بھی اس کی حفاظت کی پھر چراغ سے چراغ جلا اور یہ روایت تابعین سے ہوتی ہوئی تبع تابعین تک اور پھر بعد کے محدثین تک پہنچی۔

وحی الٰہی کے اس مقدس ذخیرے کو اجنبی مداخلت، ملاوٹ اور آمیزشوں سے بچانے کے لئے بیسیوں بے مثال علوم ایجاد ہوئے۔ اعتراض کرنے والے اعتراض تو کرتے ہیں کیونکہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی کسی کی زبان کو نہیں پکڑ سکتا[جب تجھے کسی بات کی شرم ہی نہیں رہی تو جو چاہتا ہے کر (بخاری:۳۴۸۴)]ایسے لوگ ہمیشہ اس بات سے قاصر رہے ہیں کہ کسی ایسے قدیم یا جدید، مقدس و مستند علمی ذخیرے کی نشاندہی کریں جس کی قرآن کریم یا حدیث شریف سے بڑھ کر خدمت و حفاظت کی گئی ہو اس لحاظ سے وحی ہدایت کے دونوں سوتے بے مثال ولاجواب ہیں۔

معصومیت

قرآن میں نبی اکرم ﷺ کو توبہ واستغفار کا حکم دیا گیا ہے۔(النصر:۳) اور یہ نوید بھی سنائی گئی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے ہیں۔''(الفتح:۲)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ تو معصوم ہیں، اس لئے گناہ نہیں کرسکتے لہٰذا سورۃ الفتح کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی وجہ سے اُمت کے اگلے پچھلے تمام لوگوں کے گناہ معاف کردیئے گئے ہیں (کنز الایمان)۔ یہ تاویل عیسائی عقائد کا چربہ ہے۔آیتِ مبارکہ کے الفاظ اس کے متحمل نہیں ہیں۔

اس کے برعکس بعض لوگوں کا موقف یہ ہے کہ افضل امور کو چھوڑ کر جائز امور کو اختیار کرنا عام لوگوں کے لئے گناہ نہیں ہے مگر ایک نبی کا درجہ چونکہ بہت بڑا ہوتا ہے اس لئے ایسے امور کو ان کے حق میں گناہ قرار دیا گیا ہے۔یہ توجیہ بھی دل کو نہیں لگتی کیونکہ اگر 'جواز' شرعی احکام کی ایک قسم ہے تو بیانِ جواز منصبِ رسالت کا ایک لازمی تقاضا ہے پھر یہ گناہ کیسے ہو گیا؟

اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ توبہ واستغفار بجائے خود ایک بہت بڑی عادت ہے جس میں نہ صرف اللہ کے حضور بندے کے اعترافِ جرم، احساسِ ندامت، عاجزی وانکساری اور خوف وخشیت کا اظہار ہوتا ہے بلکہ اللہ کی طرف سے برکت ومغفرت اور درجات کی بلندی بھی حاصل ہوتی ہے پھر نبی اکرم ﷺ ایسی عظیم تر عبادت سے کیسے محروم رہ سکتے تھے؟ یہ بات ہی بڑی گھسی پٹی ہے کہ نبی ﷺ نے فلاں عبادت کبھی نہیں کی۔(والعیاذ باللہ)

اسی طرح عفو ودرگزر کرنا اللہ تعالیٰ کو بڑا پسند ہے (جامع ترمذی؛ ۳۵۱۳) یہ اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے کہ وہ اپنے کسی بندے کو معاف کردے،اسی لئے ہر سچے مؤمن کی ساری تگ ودو کا ماحصل ہی یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح میرا اللہ مجھے معاف کردے اور یہ بات

www.KitaboSunnat.com

بڑی عجیب و غریب لگتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کو اور تو بہت سے انعامات سے نوازیں مگر مغفرت کے انعام سے محروم رکھیں۔

باقی رہا آپؐ کا معصوم ہونا تو اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے میں نبی اکرم ﷺ کی طرف سے کوئی خیانت یا غلطی نہیں ہوئی۔ اگر کہیں بشری تقاضوں کی وجہ سے کوئی بھول چوک ہوئی بھی تو وحی الٰہی کی بروقت رہنمائی سے اس کی اصلاح کردی گئی یعنی کسی غلطی کو باقی نہیں رہنے دیا گیا۔ اس سلسلہ میں اصل یہی ہے کہ آپ نے ہمیشہ وحی الٰہی کی اطاعت و اتباع کی ہے اور جان بوجھ کر کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی بلکہ فرمایا:

"(ایک جن) میرے ساتھ بھی (مقرر) ہے لیکن اللہ نے اس پر میری مدد کی ہے۔ اس لئے وہ مسلمان ہوچکا ہے لہٰذا مجھے صرف نیکی کا حکم دیتا ہے" (صحیح مسلم:۷۱۰۸)

مزید فرمایا:

"اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔" (بخاری:۵۰۶۳)

نیز فرمایا: "جب میں ہی نافرمانی کروں تو اور کون اللہ کی اطاعت کرے گا؟ اللہ تو مجھے اہل زمین پر امین جانے اور تم مجھے امین نہ جانو؟" (صحیح بخاری:۳۳۴۴)

اور فرمایا: "جب میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا؟" (صحیح بخاری:۶۱۶۳)

البتہ بشری تقاضوں کی وجہ سے جب کوئی لغزش ہوئی تو آپ کو اس پر قائم رہنے سے بچا لیا گیا، اصلاح بھی کی گئی، توبہ کی توفیق بھی دی گئی۔ بلکہ بعض دفعہ تو اصلاح کے ساتھ ہی پیشگی معافی کا اعلان کردیا گیا۔" (التوبہ:۴۳ اور التحریم:۱)

کبھی کبھار ہونے والی ان بشری لغزشوں میں نجانے کیا کیا حکمتیں پوشیدہ تھیں، ایک حکمت یہ ہوسکتی ہے کہ خالق اور مخلوق میں فرق رہے کیونکہ یہ صرف خالق کی صفت ہے کہ اسی سے علی الاطلاق کبھی غلطی نہیں ہوتی۔ قرآن پاک نے بتایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا: {لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَ لَا یَنْسٰی} (طٰہٰ:۲۰/۵۲) "میرا ربّ نہ بھٹکتا ہے، نہ بھولتا ہے۔"

جبکہ رسول اللہ ﷺ کی بابت ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰی اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ} (الاعلیٰ:۶،۷)

"اب ہم تجھے (اچھی طرح قرآن) پڑھا دیں گے پس تو بھولے گا نہیں مگر جو اللہ چاہے۔"

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ ایک بار آپ جماعت کے دوران قراءت بھول گئے فراغت کے بعد فرمایا:

"(اے اُبی!) تمہیں (لقمہ دینے سے) کس چیز نے روکا؟" (سنن ابی داود؛ ۹۰۷)

اسی طرح ایک دفعہ اپنے گھر میں رات کو اٹھے تو مسجد سے ایک صحابی کی تلاوت سن کر فرمایا:

"اللہ اس پر رحم کرے اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد کرادی ہے جو مجھے بھول گئی تھی۔"

(صحیح بخاری؛ ۶۳۳۵)

یعنی ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ لوگوں تک آیات کو پہنچانا بھول گئے ہوں بلکہ تبلیغ کے بعد بھول واقع ہوئی جس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ خالق و مخلوق میں فرق کو واضح کردیا جائے۔

▣ علاوہ ازیں نبی ﷺ اس لحاظ سے بھی معصوم تھے کہ آپؐ کو اللہ کی راہ میں جب بھی کسی نے ستایا، ناحق ہی ستایا۔ اس میں آپ کا قطعاً کوئی قصور نہ تھا (مثلاً دیکھیں بخاری؛ ۳۸۵۶)

ارشادِ نبوی ہے: "بلاشبہ میں اللہ کی راہ میں ڈرایا گیا ہوں (اس قدر) کوئی نہیں ڈرایا گیا میں اللہ کی راہ میں تکلیف دیا گیا ہوں (اتنی) تکلیف کوئی نہیں دیا گیا۔" (ترمذی؛ ۲۴۷۲)

آپؐ کو زیادہ تر ذہنی اذیت پہنچائی گئی جو جسمانی اذیت سے کہیں زیادہ صبر آزما ہوتی ہے۔ مثلاً جب اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ پر جھوٹی تہمت تراشی گئی آپ مسلسل ایک ماہ تک سخت پریشانی میں مبتلا رہے۔ اس دوران ایک دن منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

"اے مسلمانوں کی جماعت! کون شخص میرا وکیل صفائی بنے گا، اس شخص کے جواب میں جس کی ایذا رسانیاں میرے اہل بیت تک پہنچ گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اپنے اہل کی بابت خیر ہی جانتا ہوں اور جس آدمی کا انہوں نے ذکر کیا ہے، اس کی بابت بھی صرف خیر جانتا ہوں وہ میرے اہل پر (ہمیشہ) میرے ساتھ ہی داخل ہوا ہے۔" (صحیح بخاری؛ ۴۷۴۹)

مزید برآں نبی اکرم ﷺ اس لحاظ سے بھی معصوم تھے کہ کفار نے کوئی بیسیوں مرتبہ کوشش کی کہ نعوذ باللہ آپؐ کو قتل کردیا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر بار ان کی ہر چال سے بچالیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے وعدہ کر رکھا تھا کہ "آپؐ لوگوں تک میرا پیغام پہنچائیں، ان (کی ضرب کاری) سے میں آپ کو بچاؤں گا۔" (المائدۃ: ۶۷)

چنانچہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں آپؐ نے اپنی قیام گاہ پر رات کے پہرے کی

www.KitaboSunnat.com

ضرورت محسوس کی مگر جب یہ آیت نازل ہوئی تو پہرہ ختم کردیا گیا۔
(صحیح بخاری ۲۳۱/۱۷ومسند احمد:۱۴۱/۶ والمصباح المنیر فی تہذیب تفسیر ابن کثیر: ص۳۹۱)

اطاعت باذن اللّٰه

شریعت کی رو سے جب ایک بات فن حدیث کے مطابق پایۂ ثبوت تک پہنچ جائے تو پھر غیر مشروط طور پر دل و جان سے آپ ﷺ کی تصدیق اور اطاعت و اتباع کرنا، قیامت تک آنے والے ہر مکلف مسلمان کے لئے فرضِ عین کی حیثیت رکھتا ہے۔ارشادِ باری ہے:

{وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلاَّ لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللهِ}(النساۗئ:۶۴)

”اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی لئے کہ وہ اللہ کے حکم سے اطاعت کیا جائے۔“

نیز فرمایا: ”اور ہم نے آپ کو (تمام) لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کافی ہے گواہی دینے والا، جو کوئی رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے تو اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔“(النساۗئ:۷۹،۸۰)

فرشتوں نے آپؐ کے پاس گفتگو کرتے ہوئے کہا:

”جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور محمد (ﷺ) نے (جنتی اور جہنمی) لوگوں میں امتیاز قائم کردیا ہے۔“ (صحیح بخاری:۷۲۸۱)

ارشادِ باری ہے: ”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور (ان کی مخالفت میں کسی اور کی اطاعت کرکے) اپنے اعمال کو ضائع مت کرو۔“(محمد:۳۳)

مزید فرمایا: ”اتباع کرو اس چیز کی جو تمہارے ربّ کی طرف سے تمہاری طرف اتاری گئی ہے اور نہ اتباع کرو اس کے علاوہ دوسرے اولیا (چہیتوں) کی۔“ (الاعراف:۷/۳) یعنی اللہ کی نافرمانی میں دوسرے پیاروں کے پیچھے مت چلو۔

ارشادِ نبویؐ ہے: ”(اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی) نافرمانی میں کسی کی اطاعت (کرنا جائز) نہیں ہے۔ (کسی اور کی) اطاعت صرف معروف میں (جائز) ہے۔“ (صحیح بخاری:۷۲۵۷)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”اور اگر تم اس کی اطاعت کرو تو ہدایت پاؤ گے۔“(النور:۵۴)
نیز فرمایا: ”اور تم اس کی اتباع کرو، تا کہ ہدایت پاؤ“ (الاعراف:۱۵۸)

www.KitaboSunnat.com

مزید فرمایا: ''اور جو کچھ تمہیں رسول (ﷺ) دیں وہ لے لو اور جس بات سے منع کریں (اس سے) رک جاؤ۔'' (الحشر:۷) اور فرمایا:

''کہہ دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا اور اللہ (ایسے ہی لوگوں کیلئے) غفور رحیم ہے۔'' (آل عمران:۳۱)

ارشادِ ربانی ہے: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ۔ اللہ تمہیں اپنی دوہری رحمت سے نوازے گا اور تمہارے لئے ایسا نور کردے گا جس کے ساتھ تم چلو گے وہ تمہیں معاف کردے گا اور اللہ (بڑا) غفور رحیم ہے۔'' (الحدید:۲۸)

آپ ﷺ کی رسالت چونکہ قیامت تک کے لئے ہے اس لئے آپؐ کی تصدیق اور اطاعت واتباع بھی قیامت تک کے لئے ہے، ان دونوں میں تفریق کرنا درست نہیں ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور نہیں بھیجا ہم نے تجھے مگر (قیامت تک آنے والے) تمام لوگوں کی طرف خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (سبا:۲۸)

مزید فرمایا: ''کہہ دیجئے! اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا فرستادہ رسول ہوں۔'' (الاعراف:۱۵۸)

نیز فرمایا: ''اور نہیں ہیں محمد (ﷺ) مگر اللہ کے رسول، ان سے پہلے بھی (بہت سے) رسول گذر چکے ہیں اگر وہ وفات پاجائیں یا (اللہ کی راہ میں) قتل کردیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل (دوبارہ کفر کی طرف) پلٹ جاؤ گے۔؟'' (آل عمران:۱۴۴)

اور فرمایا: ''پس تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹو۔'' (آل عمران:۱۰۳)

فرمانِ الٰہی ہے: ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے اتاری اور (آؤ) رسول (ﷺ) کی طرف، تو منافقین کو دیکھتا ہے کہ ہٹ جاتے ہیں تجھ سے ہٹ جانا۔'' (النسائ:۶۱)

افسوس جو لوگ خود اپنے مرشدوں کی وفات کے بعد ان کے افکار و نظریات کو نہیں چھوڑتے بلکہ ان کا پرچار کرتے ہیں وہ دوسروں کو دعوت دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کی اطاعت چھوڑ کر 'مرکزِ ملت' سے وابستہ ہوجاؤ۔

www.KitaboSunnat.com

تہذیب وثقافت

حافظ مبشر حسین لاہوری

بسنت اور ویلنٹائن ڈے ..... شرعی نقطہ نظر

بسنت اور ویلنٹائن ڈے؛ حامی اور مخالف نقطہ ہائے نظر

موسم بہار کی آمد پر پاکستان میں بسنت میلہ، جشنِ بہاراں، پتنگ بازی، ویلنٹائن ڈے وغیرہ کے نام سے تہوار منائے جاتے ہیں۔ یہ تہوار کب، کیسے اور کیوں شروع ہوئے اور اسلامی نقطہ نظر سے ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس سلسلہ میں بنیادی طور پر دو نقطہ ہائے نظر ہیں: ایک مذہبی اور دوسرا سیکولر ..... سیکولر طبقہ کی حقیقت ہلڑبازوں اور لفنگوں کے کردار سے سامنے آجاتی ہے۔ لہٰذا ہم پہلے دونوں نقطہ نظر بیان کریں گے، پھر سیکولر طبقہ کا عملی مظہر دکھائیں گے اور اس کے بعد شریعت کی روشنی میں اپنا تجزیہ پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ

مذہبی نقطہ نظر

مذہبی گروہ کا کہنا ہے کہ تہوار اور میلے ہر قوم کی اپنی مذہبی و ثقافتی اقدار و نظریات کے ترجمان ہوتے ہیں اور اسلام چونکہ ایک الگ مستقل الہامی دین ہے اس لیے اس کی اپنی روایات واقدار ہیں جن کی نمائندگی کے لئے خود اسلام کے پیغامبر حضرت محمد مصطفی ﷺ نے اپنی اُمت کے لئے دو تہوار (یعنی عیدالاضحیٰ و عیدالفطر) مقرر کردیے ہیں اور ان تہواروں پر خوشی، تفریح اور اظہارِ جذبات کی حدود بھی عملی طور پر طے کردی ہیں جب کہ اس سے پہلے دورِ جاہلیت میں مروّج دیگر تہواروں اور میلوں پر یکسر خطِ تنسیخ پھیر دیا۔ چنانچہ حضرت انس ؓ بن مالک سے مروی ہے کہ دورِ جاہلیت میں مدینہ کے لوگ سال میں دو تہوار منایا کرتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو (صحابہ کرام ؓ سے) فرمایا:

«وقد أبدلكم الله بهما خيرا منهما: يوم الفطر ويوم الأضحى» (صحیح سنن نسائی؛ ۱۴۶۵)

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان دونوں تہواروں کے بدلہ میں دو اور تہوار عطا کردیئے ہیں جو ان سے بہتر ہیں اور وہ ہیں: عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ۔''

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا اب کسی نئے یا پہلے سے مروّج غیر مسلموں کے تہوار کو اسلام میں داخل کرنا یا از خود کوئی تہوار مقرر کرلینا نہ صرف جائز نہیں بلکہ دین میں اضافہ (یعنی بدعت جاری) کرلینے کے مترادف ہے جبکہ دوسری طرف عیدین کی شکل میں جو دو تہوار ہمارے لئے آنحضرت ﷺ نے مقرر فرمادیے ہیں ان میں بھی خوشی کے جذبات سے مغلوب ہو کر کسی ایسے اقدام کی اجازت نہیں جو اسلامی اقدار کے منافی یا اسلامی روح کے خلاف ہو خواہ وہ اسراف و تبذیر کی صورت میں ہو یا بے ہودگی اور جنسی بے راہ روی کی شکل میں!

اس پس منظر میں مذہبی گروہ کا کہنا ہے کہ 'بسنت' ہندوانہ تہوار ہے جبکہ 'ویلنٹائن ڈے' جنسی بے راہ روی میں ڈوبے عیسائی معاشرے کا من گھڑت تہوار ہے لہٰذا انہیں منانا غیر مسلم اقوام کی مشابہت کرنا ہے خواہ اسے منانے کی شکل من و عن وہی ہو جو اُن اقوام کے ہاں پائی جاتی ہے یا اس سے قدرے مختلف؛ بہرصورت یہ غیر مسلم اقوام کی مشابہت میں داخل ہے، جس کی وعید خود نبی اکرم ﷺ نے یہ بیان فرمائی ہے:

«من تشبه بقوم فهو منهم» (ابوداود: ۴۰۳۱)

''جس نے کسی (غیر) قوم کی مشابہت کی وہ انہی میں سے ہے۔''

سیکولر نقطہ نظر

بسنت اور ویلنٹائن ڈے کے بارے میں سیکولر اور آزاد خیال دانشور طبقہ کی رائے یہ ہے کہ بسنت مذہبی نہیں بلکہ علاقائی تہوار ہے اور ویلنٹائن ڈے خوشیاں اور محبتیں بانٹنے کا دن۔ اسلام علاقائی تہواروں کی مذمت نہیں کرتا بلکہ ''ہر خطے کے کلچر کو اپنے دامن میں سمو لینے کی صلاحیت رکھتا ہے، سوائے ان باتوں کے جن سے انسان کے اخلاقی وجود کو کوئی عارضہ ہو سکتا ہے۔'' (بسنت کا مسئلہ، از خورشید ندیم، روزنامہ جنگ، ۱۶/ فروری ۲۰۰۴ئ)

یہی بات ایک اور 'دانشور' نے اس انداز میں کہی ہے:

''موسم بہار کا تہوار منانے میں کیا خرابی ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ اسلام نے مقامی رسوم و رواج کو کبھی پامال کیا اور نہ معصوم مسرتوں کو روندا۔ صرف یہ کہ قرینہ باوقار اور شائستہ ہونا چاہئے۔ ہم مدینہ کے ایک خاندان کو دیکھتے ہیں جہاں دو سو سال تک ایک دل آویز رسم جاری رہی۔ ہر صبح اور ہر شام ایک پکارنے والا پکار کر کہتا: جسے گوشت، روغن اور لذیذ کھانا درکار ہو ہمارے ہاں چلا آئے۔ سرکار ﷺ کی تشریف آوری کے بعد یہ گھرانا مسلمان ہوا اور رسم جاری رہی۔

www.KitaboSunnat.com

ایک روایت کے مطابق دس روز تک خود آنجناب ﷺ کے لئے اس گھر سے کھانا بھیجا گیا۔ ①

بسنت کی حمایت کرنے والوں نے جب یہ کہا کہ تہوار اس قوم کی ضرورت ہیں تو انہوں نے سچ کہا۔ قدم قدم پر اس سماج میں رکاوٹیں ہیں۔ صحت مند تفریحات کا اہتمام نہیں۔ لوگوں کی روزمرہ زندگیاں پھیکی اور بدمزہ ہی نہیں بلکہ بوجھل اور مجروح ہو چکیں.....''

(بسنت، کالم نگار ہارون الرشید، روزنامہ جنگ، ۲۱/ فروری ۲۰۰۴ء)

علاقائی تہواروں کو اسلام کے دامن میں سمونے کی ایک اور دلیل موصوف نے یہ بھی دی ہے

''ایران میں اشاعتِ اسلام کے بعد بھی نوروز کا تہوار منایا جاتا۔ علما اس کی حوصلہ افزائی تو نہ کرتے تھے لیکن کچھ زیادہ حوصلہ شکنی بھی نہیں۔ ہم صوفیوں کے ایک گروہ کو ان تقریبات میں شریک دیکھتے ہیں۔ بارہ سو برس ہوتے ہیں، دشت سوس کے ایک گاؤں میں احمد اپنے مرشد حسین بن منصور حلاج کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آمدِ بہار کی مبارکباد پیش کرے۔ حسین نے جنہیں شہادت کے رتبے پر فائز ہونا اور آنے والی تمام صدیوں میں ایک مہکتا ہوا استعارہ بننا تھا، سر اُٹھا کر اسے دیکھا اور یہ کہا: ''میرا نوروز ابھی نہیں آیا.....'' ② (ایضاً)

سیکولر طبقہ کی نمائندگی کرنے والوں کا کہنا ہے:

''یہ صحیح ہے کہ بسنت کے تہوار کے ساتھ بھی بہت سی خرابیاں وابستہ ہو گئی ہیں، ضرورت ہے کہ ان خرابیوں کی اصلاح ہو، لیکن اس کا یہ طریقہ نہیں کہ ہم بسنت ہی کو غیر اسلامی ثابت کرنے کے لئے دلائل تراشنے لگیں یا اسے غیر مسلم قوم سے متعلق قرار دیں۔ اس کا صحیح طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ ہم لوگوں کو مسلسل متوجہ کرتے رہیں کہ کیسے وہ اس تفریح سے زیادہ سے زیادہ حظ اٹھا سکتے ہیں اور کیسے خرابیوں سے بچ سکتے ہیں جن کے نتیجے میں انسانی جان بھی جا سکتی ہے۔'' (بسنت کا مسئلہ' از خورشید ندیم، روزنامہ جنگ، ۱۶/ فروری ۲۰۰۴ء)

ویلنٹائن ڈے کے حوالہ سے اس طبقہ فکر کی رائے یہ ہے:

---

① یہ سخاوت اور انسان دوستی کی اعلیٰ قدر کی مثال ہے اسے لہو ولعب کی بے مقصد رسموں سے آخر کیا نسبت ؟ کہاں اعلیٰ کردار کا نمونہ اور کہاں سفلی جذبات کا کھیل! ع چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک!

② غالی صوفی حسین بن منصور حلاج کا کردار اہل علم کے ہاں کتنا قابل قدر ہے کہ اس کو نمونہ کے طور پر پیش کیا جائے؟ اہل علم اس سے بخوبی آگاہ ہیں!!

③ ہمیں خاوند بیوی کی محبت پر اعتراض نہیں، یقیناً یہ پسندیدہ عمل ہے لیکن اظہار محبت کے طور طریقوں کے لئے نام نہاد 'ویلنٹائن ڈے' کا انتخاب ٹھیک نہیں۔

www.KitaboSunnat.com

"اس روز اگر خاوند اپنی بیوی کو از راہِ محبت پھول پیش کرے یا بیوی اپنے سر تاج کے سامنے چند محبت آمیز کلمات کہہ لے تو اس میں آخر حرج کیا ہے؟" (۳)

لفنگوں اور اوباشوں کا رویہ

بسنت اور ویلنٹائن ڈے کے حوالہ سے اوباش طبقہ کا کردار سیکولر سوچ کی عکاسی کرتا ہے کیونکہ یہ تہوار دراصل اسی طبقہ کے لوگ مناتے ہیں جب کہ ان من چلوں کی تائید کے لئے سیکولر طبقہ نام نہاد دانشوری پر اتر آتا ہے۔ مزید برآں مغربی تہذیب کی دلدادہ این جی اوز اسلام کے خلاف سازش کے طور پر ان کے ساتھ نہ صرف شریک ہوتی ہیں بلکہ ان کی تفریح میں لہوولعب اور شوروغل کو مہمیز دیتی ہیں تاکہ ایسی تفریح کے پردہ میں غیر اسلامی کلچر کو پروان چڑھانے کے مواقع پیدا کئے جاسکیں۔

یہ طبقہ کن لوگوں پر مشتمل ہے؟ اور یہ تہوار کس 'شان وشوکت' سے منایا جاتا ہے؟ اس کا مشاہدہ تو بسنت کے شب و روز میں لاہور اور دیگر بڑے شہروں کی پررونق عمارتوں اور وڈیروں کی کوٹھیوں بلکہ 'کوٹھوں' پر کیا جاسکتا ہے جبکہ اس کا دھندلا سا عکس متعلقہ دنوں کے اخبارات اور میگزینوں کے صفحات پر بھی دکھائی دیتا ہے۔

مذکورہ تہوار منانے والا اصلی طبقہ تو یہی ہے اور یہ کبھی نہیں چاہے گا کہ کوئی ان کی عیاشی ودلربائی میں رکاوٹ بنے۔ انہیں اپنے تہوار کے لئے چند دن ہی درکار ہیں، اس کے علاوہ باقی سارا سال پتنگ بازی پر پابندی رہے، اس سے انہیں کوئی غرض نہیں لیکن ان کی تفریح کے خاص ایام کو پھیکا کرنے کی کوئی کوشش ہو تو یہ فوراً حقِ آزادی، تفریحِ طبع وغیرہ کا وِرد کرنے لگتے ہیں اور میڈیا بھی ان کی ہم نوائی میں خم ٹھونک کر کھڑا ہوجاتا ہے جبکہ 'سرکار' کے لئے پہلے ہی خوشی کے چند لمحات محفوظ کردیئے جاتے ہیں، اس لئے ان کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز اور ان کی طرف بڑھنے والا ہر قدم روک دیا جاتا ہے لہٰذا انہی کا پلڑا بالآخر بھاری ثابت ہوتا ہے۔

تجزیہ و تاریخی پس منظر

بسنت، پتنگ بازی اور ویلنٹائن ڈے کے حامیوں اور مخالفوں کے دلائل وآرا کے تجزیہ کے علاوہ صحیح نقطہ نظر کی توضیح کے لئے ضروری ہے کہ مذکورہ تہواروں کا تاریخی پس منظر بھی بیان کردیا جائے۔

پتنگ سازی اور پتنگ بازی

پتنگ سازی اور پتنگ بازی کا آغاز کب اور کس مقصد کے لئے ہوا؟ اس کے بارے میں

www.KitaboSunnat.com

مختلف آرا پائی جاتی ہیں، تاہم معروف یہی ہے کہ پتنگ سازی کا آغاز ہزاروں سال قبل مسیح چین سے ہوا پھر چینی تاجروں نے اسے کوریا، ایشیا اور برصغیر میں متعارف کروایا اور آج بھی پتنگ سازی کی صنعت میں چین ہی سب سے آگے ہے۔ باقی رہا پتنگ بازی کا مسئلہ تو یہ مختلف مقاصد کے لئے کی جاتی رہی ہے، مثلاً:

① تفریح طبع، کھیل تماشہ اور مقابلہ بازی کے لئے اور آج بھی دنیا بھر میں جہاں کہیں بھی پتنگ بازی ہوتی ہے، عام طور پر اس میں کھیل ہی کی نیت کارفرما ہوتی ہے۔

② پیغام رسانی کے لئے: کہا جاتا ہے کہ جنگِ عظیم اوّل میں برطانوی، فرانسیسی، اٹالین اور روسی افواج نے دشمن کی نقل و حرکت کا اندازہ لگانے اور اپنی افواج کو سگنلز دینے کے لئے پتنگ بازی سے کام لیا تاہم ہوائی جہاز کی ایجاد اور افواج میں فضائیہ کا شعبہ قائم ہوجانے کے بعد پتنگ باز فوجی یونٹس کو ختم کردیا گیا۔ اسی طرح محبوب اپنی محبوبہ کو پیغام پہنچانے کے لئے پتنگ بازی سے فائدہ اُٹھاتا۔

③ دیگر فوجی مقاصد کے لئے: کہا جاتا ہے کہ چین کے ایک جنرل ہان ہنسن نے پتنگ اُڑا کر جائزہ لیا کہ اس کے فوجیوں کو شہر کے اندر پہنچنے کے لئے کتنی لمبی سرنگ کھودنا پڑے گی۔ یہ فاصلہ معلوم کرنے کے بعد وہ سرنگ کھود کر شہر کے اندر داخل ہو گیا اور دشمن کے چھکے چھڑا دیئے۔

④ سائنسی مقاصد کے لئے: پتنگ بازی کو سائنس دانوں نے بھی اپنی ایجادات کے تجربات میں استعمال کیا۔ ہوائی جہاز کی ایجاد کو بھی پتنگ بازی کی مرہونِ منت قرار دیا جاتا ہے۔ بنجمن فرینکلن، جس نے ۱۷۵۲ء میں بجلی ایجاد کی، نے آسمانی بجلی اور لیبارٹری میں پیدا ہونے والی بجلی کا موازنہ کرنے کے لئے پتنگ بازی کا استعمال کیا۔ الیگزینڈر گراہم بیل نے ہوا کی رفتار، بیرومیٹر کا پریشر اور ہوا میں نمی جاننے کے لئے مسلسل ۴۰ سال تک پتنگوں کے تجربات کئے۔ ۱۷۴۹ء کو سکاٹ لینڈ میں الیگزینڈر ولسن نے موسمی درجہ حرارت ریکارڈ کرنے کے لئے پتنگ کے ساتھ تھرمامیٹر باندھ کر اُڑایا۔ اسی طرح ہرگریو نے ۱۸۹۳ء میں چوکور ساخت کی پتنگیں اس مقصد کے لئے ایجاد کیں جو فوراً ہی دنیا بھر میں ہوا کا دباؤ معلوم کرنے کے لئے مقبول ہو گئیں۔

⑤ مذہبی مقاصد کے لئے: جس طرح پتنگ بازی کو دیگر مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا اسی

www.KitaboSunnat.com

طرح اسے مذہبی مقاصد کے لئے بھی اختیار کیا گیا۔ مثلاً چین ہی کے لوگ توہم پرستی کے پیش نظر مختلف ساخت اور مختلف رنگوں کے پتنگ اپنے مذہبی دیوتاؤں کو مختلف پیغام پہنچانے کے لئے اُڑانے لگے۔ اسی طرح جاپان اور کوریا کے لوگوں نے اس توہم پرستی میں پتنگ بازی کو اختیار کیا کہ اس سے بدروحیں بھاگتی اور فصلیں زیادہ پیداوار دیتی ہیں۔ نیپال کے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ پتنگوں سے دیوتاؤں کو یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ اب زمین پر بارش کی ضرورت نہیں۔ ہندو اور بدھ مت کے پیروکار پتنگ بازی کے تہوار کو 'درگادیوی' سے منسوب کرتے ہیں۔ درگادیوی کو ان کے ہاں ایسی دیوی مانا خیال کیا جاتا ہے جو دُکھی انسانیت کو برائیوں کے چنگل سے چھڑاتی ہے۔ اسی طرح لاہور میں، 'بابا گڈی سائیں' کے نام سے ایک دربار ہے جو شاہی قلعہ کے عقبی گیٹ کے بالکل سامنے واقع ہے۔ اس کا نام 'گڈی سائیں' اس لئے معروف ہوا کہ لوگوں کے بقول باباجی پتنگ اُڑا کر ان کی مشکلات دور کردیا کرتے تھے اور لوگ بھی پتنگیں اور ڈوریں انہیں بطورِ نذرانہ پیش کرتے۔

یہ تو تھی پتنگ سازی اور پتنگ بازی کی مختصر تاریخ، اب آیئے 'بسنت' کا جائزہ لیتے ہیں:

'بسنت' ہندوانہ مذہبی تہوار

جن خطوں میں موسمی تغیرات 'بہار' کی فضا مہیا کرتے ہیں، وہاں عام طور پر خوشی اور تفریح کے لئے لوگ اپنے اپنے انداز میں جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً ایران میں موسم بہار کی آمد پر نو دن طویل جشن منایا جاتا ہے جسے 'نوروز' کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں 'درگادیوی' کو خوش کرنے کے لئے بسنت کا تہوار منایا جاتا جیسا کہ البیرونی ہندوستان کی علاقائی تاریخ پر اپنی مستند تصنیف 'کتاب الہند' باب ۷۶ میں 'عیدین اور خوشی کے دن' کے عنوان کے تحت ہندوستان میں منائے جانے والے مختلف مذہبی تہواروں کا ذکر کرتے ہوئی لکھتی ہیں:

"اسی مہینہ میں استوائے ربیعی ہوتا ہے جس کا نام 'بسنت' ہے۔ اسکے حساب سے اس وقت کا پتہ لگا کر اس دن عید کرتے ہیں اور برہمنوں کو کھلاتے ہیں، دیوتاؤں کی نذر چڑھاتے ہیں"

گویا بسنت ہندوؤں کا مذہبی تہوار تھا بلکہ اس کی اہمیت ان کے ہاں 'عید' سے کم نہ تھی۔

بسنت اور پتنگ بازی کا اکٹھ

بسنت اور پتنگ بازی کے پس منظر سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ بسنت ہندوؤں کا

www.KitaboSunnat.com

ایک مذہبی تہوار تھا جب کہ پتنگ کو کھیل و تفریح کے علاوہ اگرچہ سائنسی تجربات، عسکری مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے اور مذہبی توہمات کے تحت بھی اسے اُڑایا جاتا تھا۔ یعنی یہ دو الگ الگ چیزیں تھیں، پھر ان کا اختلاط کیسے ہوا؟ اس کا پس منظر بڑا دل خراش ہے جو اُمتِ مسلمہ کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اٹھارویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں متحدہ پنجاب مسلمانوں کے زیر نگیں تھا کہ سیالکوٹ کے ایک کھتری (ہندو) کا سترہ سالہ لڑکا 'حقیقت رائے باغ مل پوری' مسلمانوں کے ایک سکول میں زیر تعلیم تھا۔ وہاں کسی موقع پر اس نے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفی ﷺ اور سیدہ فاطمہ الزہرا ؓ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کئے۔ اس توہین پر حقیقت رائے کو گرفتار کرکے عدالتی کارروائی کے لئے لاہور بھیجا گیا۔ وہاں اس نے اقرارِ جرم کرلیا۔ لہٰذا لاہور کے مسلمان گورنر زکریا خان کے حکم پر اسے پھانسی دے دی گئی۔ یہ ۱۷۳۴ء یا ۱۷۳۷ء کا واقعہ ہے۔ اس پر نہ صرف ہندو آبادی کو شدید دھچکا لگا بلکہ سکھوں نے بھی اس غم میں برابر کی شرکت کی کیونکہ اس کی شادی ایک سکھ لڑکی سے ہوئی تھی۔ حقیقت رائے نے چونکہ اسلام دشمنی میں رسالت مآب ﷺ اور ان کے اہل بیت ؓ کے بارے میں گستاخی کا ارتکاب کیا تھا اور اس کی جان بخشی کی صورت اگرچہ یہ تھی کہ وہ تائب ہو کر اسلام قبول کرلیتا مگر اس نے اپنے دھرم کے مقابلہ میں اسلام کو ٹھکرا دیا اور جان کی بازی لگادی۔ لہٰذا ہندوؤں اور سکھوں نے اسے 'ہیرو' کا درجہ دے دیا۔

حقیقت رائے کے اس واقعہ سے قریب قریب سبھی اتفاق کرتے ہیں۔ تاہم اس کی تفصیلات میں اختلافِ رائے ہے۔ بعض مؤرخین کے بقول پنجاب میں بسنت کا میلہ اسی حقیقت رائے کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ (جیسا کہ ہندو مؤرخ ڈاکٹر بی ایس نجار نے اپنی کتاب "Punjab Under the Later Mughals" کے ص ۲۷۹ پر لکھا ہے) جبکہ بعض کے نزدیک 'بسنت' میلہ اس سے بھی پہلے سے چلا آتا تھا جیسا کہ البیرونی کی کتاب الہند میں ہے لیکن جس روز حقیقت رائے کو پھانسی دی گئی، اتفاق سے وہ 'بسنت' ہی کا دن تھا۔ چنانچہ متحدہ پنجاب کے غیر مسلموں نے اس اتفاقی دن سے فائدہ اٹھایا اور جہاں حقیقت رائے کو پھانسی دی گئی تھی وہاں اس کا مزار بنا کر یہی تہوار وہ نئی آن شان سے منانے لگے بلکہ انہوں نے جشن کے طور پر پتنگ اڑانے شروع کردیئے۔ اس طرح بسنت اور پتنگ لازم و ملزوم

www.KitaboSunnat.com

ہوتے چلے گئے.....!

واضح رہے کہ متذکرہ جرم کے بعد حقیقت رائے کو پھانسی لاہور میں علاقہ گھوڑے شاہ میں 'سکھ نیشنل کالج' کی گراؤنڈ میں دی گئی۔ قیامِ پاکستان سے پہلے ہندوؤں نے اس جگہ یادگار کے طور پر ایک مندر تعمیر کیا لیکن یہ مندر آباد نہ ہوسکا اور قیام پاکستان کے چند برس بعد سکھ نیشنل کالج کے آثار بھی مٹ گئے اور اب یہ جگہ انجینئرنگ یونیورسٹی کا حصہ بن چکی ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت، ۴ فروری ۱۹۹۴ئ)

بسنت کو ہندوؤں کے ہاں پہلے بھی مذہبی تہوار کی حیثیت حاصل تھی جبکہ حقیقت رائے کی پھانسی کے بعد اس میں مزید مذہبی رنگ شامل ہو گیا اور آج بھی اسے مذہبی حیثیت ہی سے منایا جاتا ہے۔ ایک صاحب کا آنکھوں دیکھا حال ملاحظہ فرمائیے:

''بسنت تو ہندو کا ایک مذہبی تہوار ہے اور اس کے لئے خاص طور پر اہتمام کیا جاتا ہے، گذشتہ سال جنوری میں الٰہ باد (بھارت) کے مقام پر جو 'مہا کنبھ میلہ' ہوا تھا اس میں بڑے بڑے اچاریوں اور مہنتوں نے شبھ گھڑیوں کی تقسیم کی تھی۔ اس کے مطابق ۲۹ جنوری کے روز 'بسنت پنچمی' کا تہوار منوایا گیا تھا۔ میں نے خود اس روز اپنی آنکھوں سے دہلی کی پرانی سبزی منڈی کے پاس بسنت کا مذہبی جلوس دیکھا تھا جو کالی کے مندر کی طرف جارہا تھا۔ اسی طرح میں نے آگرہ کے ایک کالج کے پرنسپل سے بسنت کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: 'بسنت پنچمی ماگھ یا بھاگون کے مہینہ میں منائی جاتی ہے۔ اس دن گاؤں گاؤں، شہر شہر میں جگہ جگہ میلے لگتے ہیں۔ کبڈی، ہاکی، فٹ بال اور کشتی وغیرہ کے کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ اس میں سرسوتی اور کالکا دیوی کی پوجا کی جاتی ہے۔ بچے، بزرگ اور عورتیں وغیرہ پیلے کپڑے پہنتے ہیں۔ گھروں میں پیلا حلوہ اور پیلے چاول پکائے جاتے ہیں، بچے اور نوجوان پتنگیں اڑاتے ہیں، چاروں طرف خوشحالی اور خوشی کا ماحول رہتا ہے۔''

(رانا شفیق خاں پسروری، ہفت روزہ اہلحدیث بابت ۲۱ر فروری ۲۰۰۳ئ، ص۱۹)

خلاصۂ کلام

پتنگ اور بسنت کے نام نہاد جشن بہاراں کے بارے میں گذشتہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ

① پتنگ سازی کا آغاز ہزاروں سال قبل مسیح ہوا جبکہ دنیا بھر میں اسے اصلاً تو تفریح کی غرض سے لیکن اس کے علاوہ اسے سائنسی تجربات، عسکری مقاصد، پیغام رسانی جیسے مفید کاموں کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح مذہبی توہمات وغیرہ کے تحت بھی

www.KitaboSunnat.com

اسے منایا جاتا رہا ہے۔

② 'بسنت' ہندوؤں کا قدیم مذہبی تہوار تھا اور بالفرض اگر یہ علاقائی تہوار تھا تو تب بھی اسے غیر مسلم ہی مناتے تھے مزید برآں اس پر ہندوانہ عقیدہ کے مطابق موسموں کا مذہبی تصور غالب تھا۔

③ حقیقت رائے کے واقعہ نے اسے مزید مذہبی رنگ دے دیا۔

ویلنٹائن ڈے؛ عاشقوں کا تہوار

بسنت کا شرعی اعتبار سے جائزہ لینے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ 'ویلنٹائن ڈے' کا تاریخی پس منظر بھی پیش کردیا جائے۔ کیونکہ پاکستان میں جس طرح بسنت اور ویلنٹائن ڈے کا 'ملاپ' ہوتا جارہا ہے اور دونوں تہواروں کے منانے کا انداز بھی ایک جیسا ہی ہے اسی طرح ان کی شرعی حیثیت بھی قریب قریب ایک ہی ہے۔

'ویلنٹائن ڈے' کیا ہے اور کس طرح یہ شروع ہوا؟ اس کے بارے میں کئی روایات ملتی ہیں تاہم ان میں یہ بات مشترک ہے:

''ویلنٹائن ڈے (جو ۱۴/ فروری کو منایا جاتا ہے) محبوبوں کے لئے خاص دن ہے۔''

(انسائیکلوپیڈیا بک آف نالج)

''اسے عاشقوں کے تہوار (Lover's Festival) کے طور پر منایا جاتا ہے۔''

(انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا)

اسے عاشقوں کے تہوار کے طور پر کیوں منایا جاتا ہے؟ اس کے بارے میں بک آف نالج کا مذکورہ اقتباس لائق توجہ ہے:

''ویلنٹائن ڈے کے بارے میں یقین کیا جاتا ہے کہ اس کا آغاز ایک رومی تہوار لوپر کالیا (Luper Calia) کی صورت میں ہوا۔ قدیم رومی مرد اس تہوار کے موقع پر اپنی دوست لڑکیوں کے نام اپنی قمیصوں کی آستینوں پر لگا کر چلتے تھے۔ بعض اوقات یہ جوڑے تحائف کا تبادلہ بھی کرتے تھے۔ بعد میں جب اس تہوار کو سینٹ 'ویلنٹائن' کے نام سے منایا جانے لگا تو اس کی بعض روایات کو برقرار رکھا گیا۔ اسے ہر اس فرد کے لئے اہم دن سمجھا جانے لگا جو رفیق یا رفیقہ حیات کی تلاش میں تھا۔ سترہویں صدی کی ایک پراُمید دوشیزہ سے یہ بات منسوب ہے کہ اس نے ویلنٹائن ڈے والی شام کو سونے سے پہلے اپنے تکیہ کے ساتھ پانچ پتے ٹانکے اس کا خیال تھا کہ ایسا کرنے سے وہ خواب میں اپنے ہونے والے خاوند کو دیکھ سکے گی۔ بعد

www.KitaboSunnat.com

ازاں لوگوں نے تحائف کی جگہ ویلنٹائن کارڈز کا سلسلہ شروع کر دیا۔"

('ویلنٹائن ڈے' از محمد عطاء اللہ صدیقی، ص ۳)

۱۴ فروری کا یہ 'یومِ محبت' سینٹ ویلنٹائن سے منسوب کیوں کیا جاتا ہے؟ اس کے بارے میں محمد عطاء اللہ صدیقی رقم طراز ہیں:

"اس کے متعلق کوئی مستند حوالہ تو موجود نہیں البتہ ایک غیر مستند خیالی داستان پائی جاتی ہے کہ تیسری صدی عیسوی میں ویلنٹائن نام کے ایک پادری تھے جو ایک راہبہ (Nun) کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہوئے۔ چونکہ عیسائیت میں راہبوں اور راہبات کے لئے نکاح ممنوع تھا۔ اس لئے ایک دن ویلنٹائن صاحب نے اپنی معشوقہ کی تشفی کے لئے اسے بتایا کہ اسے خواب میں بتایا گیا ہے کہ ۱۴ فروری کا دن ایسا ہے اس میں اگر کوئی راہب یا راہبہ صنفی ملاپ بھی کر لیں تو اسے گناہ نہیں سمجھا جائے گا۔ راہبہ نے ان پر یقین کیا اور دونوں جوشِ عشق میں یہ سب کچھ کر گزرے۔ کلیسا کی روایات کی یوں دھجیاں اُڑانے پر ان کا حشر وہی ہوا جو عموماً ہوا کرتا ہے یعنی انہیں قتل کر دیا گیا۔ بعد میں کچھ منچلوں نے ویلنٹائن صاحب کو 'شہیدِ محبت' کے درجہ پر فائز کرتے ہوئے ان کی یاد میں دن منانا شروع کر دیا۔ چرچ نے ان خرافات کی ہمیشہ مذمت کی اور اسے جنسی بے راہ روی کی تبلیغ پر مبنی قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سال بھی عیسائی پادریوں نے اس دن کی مذمت میں سخت بیانات دیئے۔ بنکاک میں تو ایک عیسائی پادری نے بعض افراد کو لے کر ایک ایسی دکان کو نذرِ آتش کر دیا جس پر ویلنٹائن کارڈ فروخت ہو رہے تھے۔"

آج کل یورپ و امریکہ میں ویلنٹائن ڈے کیسے منایا جاتا ہے، اس کی تفصیلات کو جاننے کے لئے محترم صدیقی کا پیش کردہ درج ذیل واقعہ ملاحظہ فرمایئے:

"ہمارے ایک فاضل دوست جو نہ صرف امریکہ سے بین الاقوامی قانون میں پی۔ایچ۔ ڈی کر کے آئے ہیں بلکہ وہاں ایک معروف یونیورسٹی میں پڑھانے کا اعزاز بھی رکھتے ہیں، انہوں نے اپنے چشم دید واقعات کی روشنی میں اس کا پس منظر بیان کیا کہ حالیہ برسوں میں امریکہ اور یورپ میں اس دن کو جوش و خروش سے منانے والوں میں ہم جنس پرستی میں مبتلا نوجوان لڑکے (Gay) اور لڑکیاں پیش پیش تھیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سان فرانسسکو میں ویلنٹائن ڈے کے موقع پر ہم جنس پرست خواتین و حضرات کے برہنہ جلوس دیکھے۔ جلوس کے شرکا نے اپنے سینوں اور اعضاے مخصوصہ پر اپنے محبوبوں کے نام چپکا رکھے تھے۔ وہاں یہ ایسا

www.KitaboSunnat.com

دن سمجھا جاتا ہے جب 'محبت' کے نام پر آوارہ مرد اور عورتیں جنسی ہوسنا کی کی تسکین کے شغل میں غرق رہتی ہیں۔ جنسی انارکی کا بدترین مظاہرہ اسی دن کیا جاتا ہے۔'' (ایضاً: ص ۳ تا ۴)

پاکستان میں گذشتہ دو تین سالوں سے اسے کس انداز میں منایا جارہا ہے اس کا اندازہ ۱۴ فروری سے ایک دو روز آگے پیچھے کے کسی بھی قومی اخبار پر سرسری نگاہ ڈال کر کیا جاسکتا ہے۔ ایک تازہ واقعہ ملاحظہ فرمایئے:

راقم کے ایک دوست نے بتایا کہ ۱۴ فروری ۲۰۰۴ء (ہفتہ) کو جب میں اپنے کام سے واپس گھر آرہا تھا تو راستے میں ایک جگہ میں نے دیکھا کہ ۲۵، ۳۰ نوجوان جنہوں نے سرخ قمیصیں/ شرٹیں پہن رکھی ہیں اور ہاتھوں میں گلاب کے پھول اٹھا رکھے ہیں، ایک سادہ مزاج آدمی کو پیٹ رہے ہیں۔ میں نے انہیں سمجھانے اور روکنے کی کوشش کی تو وہ مجھے بھی دھکے مارنے لگے۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ نوجوانوں/ مستانوں کی ٹیم ویلنٹائن ڈے منانے کے شوق میں راہ گزرتی خواتین کو تنگ کرنے اور پھول پیش کرنے کا مظاہرہ کررہی تھی۔ اس شخص نے انہیں ایسی فحش حرکتیں کرنے سے منع کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں یہ سب اس پر ٹوٹ پڑے۔ اس نے کہا: ''میں نے سوچا کہ پولیس کو فون کیا جائے مگر قریب کہیں فون کی سہولت میسر نہ تھی۔ پھر میں اس معمولی واردات کو نظرانداز کرکے آگے بڑھ گیا۔''

اگرچہ بظاہر یہ واقعہ چھوٹا ہوگا مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ سرکاری سطح پر اگر ایسے اقدامات کی روک تھام نہ کی گئی تو آئندہ چند برسوں میں جنسی انارکی اور اباحیت کا ایک نہ تھمنے والا سیلاب اس معاشرے کی رہی سہی اسلامی اقدار بہالے جائے گا۔

بسنت اور ویلنٹائن ڈے کی شرعی حیثیت

بدعتی تہوار

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ بسنت اور ویلنٹائن ڈے الگ الگ قوموں کے دو تہوار ہیں۔ بسنت ہندوؤں کا اور ویلنٹائن ڈے عیسائیوں کا۔ ہندوؤں کے ہاں بسنت میں مذہبی رنگ بھی شامل ہے جبکہ عیسائیوں کے ویلنٹائن ڈے کو ان کے مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ تاہم اباحیت کی جو تحریک مغرب میں عروج پر ہے، اس کے مقابلہ میں اس فحش تہوار پر کسی قسم کی قدغن لگانا خود عیسائی مذہب کے 'ذمہ داروں' کے لئے ممکن نہیں۔

www.KitaboSunnat.com

اب رہی یہ بات کہ ایک مسلم معاشرہ غیر مسلم تہواروں کو منانے کی گنجائش رکھتا ہے یا نہیں؟ تو مذہبی نقطہ نظر سے اس کا جواب نفی میں ہے۔ کوئی شخص سفلی خواہشات کی تکمیل کے لئے ان تہواروں میں شرکت کرنا چاہے تو کرے لیکن اگر کوئی نام نہاد دینی رہنما یہ دعویٰ کرے کہ دین اسلام بھی اس معاملہ میں اس کی پشت پناہی کرتا ہے تو یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ پیغمبر اسلام نے ہمارے لئے خوشی کی غرض سے دو تہوار (عیدین) مقرر کئے جبکہ باقی تمام تہواروں کی آپؐ نے ممانعت فرمادی۔ آپؐ کے بعد کسی کو یہ اتھارٹی حاصل نہیں کہ وہ کسی اور تہوار کو اسلام کا حصہ بنائے۔ سیکولر طبقہ نے علاقائی رواج اور تہواروں میں اصولی فرق کو نظر انداز کرتے ہوئے کئی ایک شبہات پیدا کئے ہیں جن کا ازالہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اس اُصولی فرق کو واضح نہ کردیا جائے۔

تہوار اور رسم ورواج میں فرق

ہر قوم اور معاشرے میں کچھ روایات خالصتاً اچھی ہوتی ہیں اور کچھ بری اور کچھ ایسی بھی جن میں خیر وشر کا اختلاط ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ہر قوم کے کچھ تہوار بھی ہوتے ہیں جن میں قوم کا ہر فرد شریک ہوتا ہے خواہ وہ مشرق میں ہو یا مغرب میں۔ روایات اور تہواروں کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر جاننے کے لیے ہم تہواروں سے بات شروع کرتے ہیں۔

دیگر اقوام کی طرح اہل عرب بھی کئی ایک تہوار منایا کرتے تھے مگر آنحضرت ﷺ نے ان کے کسی تہوار کو اپنایا اور نہ اہل ایمان کو ان میں شرکت کی کبھی اجازت دی۔[1] تاہم خوشی اور تفریح

---

[1] البتہ دعوت وتبلیغ کے لیے غیر مسلموں کے تہوار میں لوگوں کے اکٹھ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپؐ شرکت فرمالیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عوف بن مالک سے مروی ایک روایت میں ہے کہ یہودیوں کے ایک تہوار (عید) کے موقع پر آپؐ نے ان کے کنیسہ میں تشریف لے گئے اور میں بھی آپ کے ہمراہ تھا اور وہاں آپؐ نے انہیں تبلیغ فرمائی..... پھر واپس تشریف لے آئے۔ (دیکھئے: مسند احمد ۲۵/۶، حاکم ۴۱۵/۳، مجمع الزوائد ۱۰۵/۷) بعض لوگ غیر مسلموں کے تہواروں میں آنحضرت کی اس طرح کی شرکت سے بسنت میلہ منانے کا جواز کشید کرنے کی ناروا کوشش کرتے ہیں حالانکہ غیر مسلموں کے کسی تہوار میں تبلیغ کے لیے شرکت کرنے اور اسے انہی کے ڈھب سے منانے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

اسی طرح بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ ''نبی اکرم ﷺ عکاظ کے میلے میں شرکت فرماتے تھے جب کہ اس کا انتظام وانصرام کفار مکہ کے پاس تھا۔ لہٰذا کفار کے میلوں میں شرکت جائز ٹھہری'' حالانکہ یہاں بھی وہی کج فہمی ہے جو اوپر والی صورت میں ہے۔ یعنی کسی تہوار میں لوگوں کے اجتماع سے کوئی تبلیغی فائدہ اٹھانا اور بات ہے اور اس کو منانے کے لیے اس میں عملاً شرکت کرنا اور بات۔ یوں بھی عکاظ ان معنوں میں کوئی دینی تہوار یا

www.KitaboSunnat.com

کے جذبات چونکہ انسانی فطرت کا حصہ ہیں جنہیں کچلا نہیں جاسکتا، اس لیے آپ نے جاہلانہ تہواروں کے برعکس مسلمانوں کے لیے دو مستقل تہوار مقرر فرمادیئے جن میں عبادت (نماز)

ثقافتی میلہ نہیں تھا بلکہ دراصل یہ تجارتی بازار تھا۔ اسی لیے روایات میں اس کے بارے میں 'سوق عکاظ' کے الفاظ ملتے ہیں اور یہ تجارتی بازار مکہ مکرمہ میں حرمت والے مہینوں میں منعقد ہوتا تھا اس کے علاوہ نہیں۔ اس لیے کہ اس دور میں لوٹ مار اور قتل وغارت گری ایک پیشہ تھا اور سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے اس کا سدباب ممکن نہ تھا، لہٰذا باہر سے جو تجارتی قافلہ بھی مکہ کے قرب وجوار سے گزرتا اسے لوٹ لیا جاتا، اسی خوف سے لوگ اپنا مال لے کر مکہ کا رخ نہیں کرتے تھے مگر حرمت والے مہینوں میں چور ڈاکو چونکہ اس طرح کا کوئی ارتکاب نہیں کرتے تھے اس لیے ان ایام میں یہ تجارتی بازار خوب گرم ہوتا اور حج کیلئے دنیا بھر سے لوگ اپنے مال واسباب کے ساتھ یہاں جمع ہوتے۔ اس دور کے مخصوص دینی نظریات وتصورات کی رو سے یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ اس تجارتی میلہ میں جوا، شراب اور زنا کاری وغیرہ جیسے اخلاق سوز مظاہر بھی دیکھنے میں آتے ہوں کیونکہ یہ سب چیزیں ان کی ثقافت کا حصہ بن چکی تھیں اور آنحضرت ﷺ اس میں اگر کبھی شریک ہوئے تو محض تبلیغ کیلئے نہ کہ ان کے اس حیاباختہ ثقافت کو فروغ دینے کیلئے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے غالب آجانے کے بعد تجارتی شکلوں میں تو ارتقا ہوا مگر جرائم اور بے حیائی کا ذریعہ بننے والی تمام صورتوں کا سدباب ہوگیا۔ ممکن ہے کہ موسم حج میں حاجیوں کو تجارت کی اجازت مل جانے کی وجہ سے یہ تجارتی بازار آہستہ آہستہ حج کی صورت بڑھنے والی تجارتی آمدورفت میں ہی ضم ہوگیا ہو۔ حج کا موجودہ اجتماع بھی اس لحاظ سے مکہ مکرمہ کی تجارتی درآمد وبرآمد میں غیر معمولی حیثیت رکھتا ہے اور موجودہ سعودی عرب کی حکومت کے مالی استحکام میں حج کے دوران ہونے والی عالمی پیمانے کی تجارت کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔ الغرض عکاظ کے بازار کو بسنت کے حالیہ تہوار سے تشبیہ دینا سوءِ فہم کا نتیجہ ہے، نبی اکرم ﷺ کے بازار عکاظ میں تبلیغی مقاصد کے لیے جانے سے بسنت کے تہوار کے جائز ہونے پر استدلال قیاس مع الفارق ہے۔

② بعض لوگ حضرت عائشہ کے ساتھ نبی کریمؐ کا حبشیوں کی کھیل کود اور بھاگ دوڑ کے مقابلوں کو دلچسپی سے دیکھنے پر بھی یہ دعویٰ کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ اسلام میں کھیل کود کے لیے میلوں ٹھیلوں کی گنجائش ہے۔ یہاں بھی دو باتوں کو خلط ملط کرکے یہ لوگ اپنا مطلب نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسلام کو تفریح سے دشمنی نہیں اور صحت مند تفریح کی اسلام یقیناً حوصلہ افزائی کرتا ہے، لیکن بسنت اور ویلنٹائن ڈے پر کھیل ہونے کی حیثیت سے ہی اعتراض نہیں کیا جاتا۔ مذہبی طبقہ جس بنیاد پر ان کی مذمت کرتا ہے وہ کھیل کود کی بجائے غیر اسلامی تہوار اور مغرب کے فاسقانہ تصورِ محبت کو فروغ دینا ہے۔ لاہور میں 'میلہ مویشیاں' کے نام سے سالہا سال سے جو تفریحی پروگرام منعقد ہوتے ہیں، مذہبی طبقہ نے اس پر کبھی حرمت اور غیر مسلموں کی مشابہت کا حکم نہیں لگایا۔ گو کہ اس میں اب تفریح کی بعض ایسی صورتیں آہستہ آہستہ جڑ پکڑ رہی ہیں جو اسلام کے تصور تفریح کے منافی ہیں۔ مثلاً بینڈ باجے، مرد وزن کا اختلاط اور بے پردگی، اسراف کا پہلو بھی ان میں توجہ کا متقاضی ہے جبکہ بسنت اور ویلنٹائن ڈے تفریح کے علاوہ اور بہت کچھ اپنے جلو میں ساتھ لے کر آتے ہیں، جن سے ہماری دینی اساس اور معاشرتی روایات کو بہت سے خطرات لاحق ہیں!!

www.KitaboSunnat.com

اور ذکر الٰہی کا اہتمام بھی ہوتا اور کھیل کود کا مظاہرہ بھی[۲]۔ یہ باتیں مستند کتب احادیث کی روایات سے ثابت ہیں۔ انہی میں سے ایک روایت کو امام نسائی نے اپنی سنن میں 'جاہلانہ تہوار' کے عنوان کے تحت اس طرح بیان کیا ہے:

حضرت انس ؓ بن مالک سے مروی ہے کہ دورِ جاہلیت میں مدینہ کے لوگ سال میں دو تہوار منایا کرتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو (صحابہ کرام ؓ سے) فرمایا: «وقد أبدلكم الله بهما خيرا منهما: يوم الفطر ويوم الأضحى»

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان دونوں تہواروں کے بدلہ میں دو اور تہوار عطا کر دیئے ہیں جو ان سے بہتر ہیں اور وہ ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔'' (صحیح سنن نسائی: ۱۴۶۵)

اس روایت میں مدینہ کے غیر مسلموں کے دو تہواروں کا ذکر ہے روایات کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کے علاقائی تہوار تھے اور ان میں مذہبی رنگ شامل نہیں تھا مگر اس کے باوجود آپ نے انہیں اپنی امت کے لیے ناجائز قرار دے دیا اور اگر ان میں مذہبی رنگ بھی شامل ہوتا تو پھر ان کی ممانعت اور قوی ہو جاتی۔ بلکہ تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب کے بعض تہوار ایسے بھی تھے جن میں مشرکانہ عقائد کی شکل میں ان کا مذہبی رنگ بھی شامل تھا یہ تہوار 'عرس' کی شکل میں مختلف دنوں میں منائے جاتے تھے جیسا کہ معروف مؤرخ جناب شبلی نعمانی اپنی سیرت النبیؐ میں امام ابن اسحاق کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ

''ایک دفعہ کسی بت کے سالانہ میلہ میں ورقہ بن نوفل، عبد اللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل شریک تھے۔ ان لوگوں کے دل میں دفعتہ یہ خیال آیا کہ یہ کیا بیہودہ پن ہے کہ ہم ایک پتھر کے سامنے سر جھکاتے ہیں جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ کسی کا نقصان کر سکتا ہے نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔'' (ج ۱ ص ۸۷)

یہ اسلام سے پہلے کا واقعہ ہے پھر یہ حضرات موحدانہ تعلیمات پر مبنی دین کی تلاش کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور اس کے بعد کیا ہوا اس کی تفصیل مذکورہ کتاب میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ بتوں کے ناموں پر بھی عرب میں عرس منائے جاتے تھے مگر آپؐ نے ان کی پوجا پاٹ اور نذر و نیاز وغیرہ کے لیے کبھی ان میں شرکت نہ فرمائی بلکہ آپؐ نے چونکہ مشرکانہ عقائد کی سخت تردید فرمائی اور فتح مکہ کے بعد ان تمام بتوں کو نذر آتش کروا دیا، اس لیے یہ مذہبی عرس اور تہوار بھی اپنی موت آپ مر گئے۔

www.KitaboSunnat.com

ان تہواروں کے حوصلہ شکنی میں آپؐ کتنے حساس تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ کے پاس ایک صحابیؓ آیا اور کہنے لگا کہ میں نے 'بوانہ' نامی مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی منت مانی ہے (کیا میں اسے پورا کروں؟) آپؐ نے فرمایا: کیا دورِ جاہلیت میں وہاں کسی بت کی پوجا تو نہیں ہوا کرتی تھی؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر آپؐ نے پوچھا: «هل كان فيها عيد من أعيادهم؟» "کیا وہاں مشرکین کے تہواروں/میلوں میں سے کوئی تہوار تو منعقد نہیں ہوا کرتا تھا؟" اس نے کہا: نہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ "پھر اپنی نذر پوری کرو کیونکہ جس نذر میں اللہ کی نافرمانی کا عنصر پایا جائے اسے پورا کرنا جائز نہیں۔" (ابوداؤد؛ ۳۳۱۳)

گویا آپؐ نے سائل سے جو دو باتیں پوچھیں، یہ دونوں گناہ کی صورتیں تھیں اور اگر ان میں سے کوئی ایک صورت بھی ہوتی تو آپؐ نے اس صحابی کو اپنی نذر پوری کرنے سے ضرور منع کر دینا تھا۔ گویا غیر مسلموں کے تہواروں کو منانا تو بہت دور کی بات، جہاں وہ تہوار منایا کرتے تھے وہاں کوئی ایسا کام کرنا جو ان کی مشابہت کا شک پیدا کرے وہ بھی آنحضرت ﷺ کے نزدیک جائز نہیں۔

آپ کے بعد صحابہ کرام نے بھی غیر مسلموں کے تہواروں کے بارے میں یہ تصور قائم رکھا مثلاً عہدِ خلافتِ راشدہ میں جب ایران فتح ہوا تو صحابہ کرامؓ نے وہاں کے آتش پرستوں کے مروّجہ تہواروں کو کسی رنگ میں بھی اختیار نہیں کیا۔ بلکہ آتش پرست اگر اپنے تہوار مناتے تھے، تو وہ بھی از راہِ معاہدہ چار دیواری میں یہ تہوار منانے کے پابند تھے۔ اس تاریخی حقیقت سے سیکولر طبقہ چشم پوشی کر رہا ہے مثلاً 'بسنت' کے حامی ایک صاحب لکھتے ہیں: "ایران میں اشاعتِ اسلام کے بعد بھی 'نوروز' کا تہوار منایا جاتا۔ علما اس کی حوصلہ افزائی تو نہ کرتے تھے لیکن کچھ زیادہ حوصلہ شکنی بھی نہیں" ('بسنت' کالم نگار ہارون الرشید، روزنامہ جنگ، ۲۱/ فروری ۲۰۰۴ء)

اس سے ہمیں اختلاف نہیں کہ اشاعتِ اسلام کے بعد بھی ایران میں نوروز کا تہوار منایا جاتا رہا، مگر اصل سوال یہ ہے کہ اسے منانے والے کون تھے؟ کیا فاتح مسلمان بھی یہ تہوار مناتے تھے؟ اگر ایسا ہے تو پھر کسی ایک صحابی یا تابعی ہی کا موصوف نام بتا دیں جو اس تہوار میں شریک ہوئے؟ اگر آج کے نام نہاد مسلمان 'نوروز' مناتے ہیں تو یہ ان کی جہالت و سرکشی اور ہوائے نفس کا نتیجہ ہے ورنہ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے نہ اسلام کو حقیقی طور پر سمجھنے والے اوّلین گروہ (صحابہؓ) کے عمل سے اس کی کوئی تائید ہوتی ہے!

www.KitaboSunnat.com

یہ تو تھا تہواروں کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر اب آیئے معاشرتی روایات کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر معلوم کرتے ہیں:

ہم یہ ذکر کر چلے ہیں کہ ہر معاشرے میں کچھ عادات اور روایات اچھی، کچھ بری اور کچھ ملی جلی ہوتی ہیں ان کی امتیازی حیثیت کی وجہ سے انہیں 'رسومات' بھی کہا جا سکتا ہے اور بار بار ان کا اظہار ہوتے رہنے کی حیثیت سے انہیں 'رواج' کے لفظ سے بھی موسوم کیا جا سکتا ہے۔ ان روایات (یعنی رسم ورواج) وغیرہ کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر دو جملوں میں بیان کیا جا سکتا ہے یعنی 'خذ ما صفا ودع ما کدر'..... "جو اچھی چیزیں ہیں انہیں اختیار کرو اور جو بری ہیں ان سے اجتناب کرو" یعنی اگر کسی معاشرے کی کوئی روایت رواج یا رسم اچھی ہو اور اسلامی مزاج کے منافی نہ ہو تو اسے اختیار کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک صاحب نے عرب معاشرے کی جود وسخا کا ذکر کرتے ہوئے جو یہ کہا ہے: "ایک روایت کے مطابق دس روز تک خود آنجناب کے لیے اس گھر سے کھانا بھیجا گیا" تو اس روایت کے حوالے سے اس بات سے قطع نظر کہ سیرت کی مستند کتابوں میں اس کا کہیں ذکر ہے بھی یا نہیں۔ ہم یہ واضح کرنا چاہیں گے کہ جود وسخا عرب معاشرے کی ایک اچھی روایت تھی جسے آپؐ نے نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اپنے متعدد فرامین میں اس کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔ مگر یہ کوئی تہوار نہیں تھا کہ اس بنیاد پر ہم غیر اسلامی تہواروں کا جواز نکالنے بیٹھ جائیں!

اسی طرح عرب معاشرے میں رواج تھا کہ جب کسی مصیبت یا دشمن کی آمد وغیرہ سے لوگوں کو مطلع کرنا ہوتا تو ایک قاصد روانہ کیا جاتا جو اپنے اونٹ کو زخمی کرتا، کپڑوں کو پھاڑتا، سر میں خاک ڈالتا اور پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر یا صباحاہ! یا ویلاہ! وغیرہ کی الفاظ بلند کرتا جسے سن کر تمام لوگ اپنے کام کاج چھوڑ کر جمع ہو جاتے۔ خود نبی اکرمؐ نے بھی اس مفید رواج سے بوقت ضرورت فائدہ اٹھایا مگر اس میں موجود غیر اخلاقی حرکتوں (یعنی جانور زخمی کرنے، کپڑے پھاڑنے وغیرہ) کو اختیار نہ کیا۔

اسی طرح وہ معاشرتی روایات جو سراسر شر پر مبنی تھیں انہیں آپ ﷺ نے اختیار نہ فرمایا بلکہ ان کی ہر طرح سے حوصلہ شکنی فرمائی مثلاً اس دور میں رواج تھا کہ باپ کی منکوحہ بڑے بیٹے کو وراثت میں ملتی۔ غیر مرد کا نطفہ لینے کے لیے بیوی سے بدکاری کروائی جاتی (جسے ہندومت میں 'نیوگ' کہا جاتا ہے) بچیوں کو زندہ درگور کیا جاتا..... وغیرہ آپ نے شر پر مبنی

www.KitaboSunnat.com

یہ تمام رسومات اور رواج ختم کر دیئے۔

معلوم ہوا کہ معاشرتی روایات اگر اچھی ہوں اور اسلام کے منافی نہ ہوں تو انہیں اختیار کیاجاسکتا ہے مگر کسی تہوار کے بارے میں اسلام کا یہ نظریہ نہیں ہے۔ لہٰذا اسلام کے صرف دو ہی تہوار (عیدین) ہیں اس کے علاوہ کسی اور تہوار کو اسلام میں داخل کرنا 'بدعت' کے مترادف ہے خواہ وہ تہوار بسنت اور ویلنٹائن ڈے کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں۔

تہوار کے بارے میں اس سخت موقف کی وجہ غالباً یہ ہے کہ تہوار چونکہ کسی قوم کی شان وشوکت کے مظہر اور قومی وحدت کا شعار ہوتے ہیں جن میں اس قوم کا تشخص دوبالا ہوتا ہے اسلام اپنا ایک برتر تشخص اور الٰہی تصور وفلسفہ رکھتا ہے۔ جس میں کسی غیر قوم کے قومی شعارات کی کوئی گنجائش نہیں۔

علاقائی ثقافت اور مذہب میں فرق

رسم اور تہوار کے اس اُصولی فرق کی توضیح کے بعد ہم ایک اور اصولی غلطی کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں۔ اول الذکر غلط فہمی کی طرح یہ غلط فہمی بھی سیکولر طبقہ کی پیدا کردہ ہے۔ اس غلط فہمی کو ایک سیکولر کالم نگار نے اس انداز میں پیش کیا ہے:

''بعض لوگ معترض ہیں کہ بسنت کا تہوار مذہبی طور پر 'حرام' ہے حالانکہ کسی بھی علاقہ کی ثقافت کا مذہب سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں سب سے بڑی مشکل اور ہماری سوچ کا اندوہناک پہلو یہ ہے کہ ہم نے آج تک مذہب اور ثقافت میں پائے جانے والے بنیادی فرق کو سمجھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔''

('بسنت، لاہور کا ثقافتی تہوار' از نذیر احمد چوہدری ص۲۶)

موصوف کی یہ بات کہ ''کسی بھی علاقہ کی ثقافت کا مذہب سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا'' محل نظر ہے کیونکہ:

① علاقائی ثقافت تو وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ تبدیل یا ارتقا پذیر ہوتی رہتی ہے جبکہ مذہب بالخصوص دین اسلام اپنی محکم روایات اور اصول واقدار رکھتا ہے جس میں علاقائی تبدیلیاں اس انداز سے ہرگز اثر انداز نہیں ہوسکتیں کہ اس کے ان بنیادی احکام ہی کو ردوبدل کا نشانہ بنا ڈالیں بلکہ اگر عملاً مذہب ہی ردّوبدل کا شکار ہوجائے تو وہ اپنی الہامی حیثیت کھو دیتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

② مذہب اور ثقافت کا ٹکراؤ خود واقعاتی طور پر ثابت ہے۔ مثلاً 'ویلنٹائن ڈے' جس نے مغربی ثقافت کی اہمیت حاصل کرلی ہے، عیسائی مذہب اس کے خلاف ہے۔ اسی طرح جب مسلمان برصغیر میں آئے تو یہاں کی ثقافت اسلامی اصولوں کے خلاف تھی۔ بیوہ کو ستی کرنا، گائے کا پیشاب پینا اور گوشت کو حرام سمجھنا، میت کو نذرآتش کرکے دریا برد کرنا، کرپال پہننا، بندیا لگانا اور ایسی ہی سینکڑوں باتیں جو برصغیر کی علاقائی ثقافت کا حصہ تھیں اور اب بھی جزوی تبدیلیوں کے باوصف حصہ ہیں، اسلامی تعلیمات کے یکسر منافی تھیں چنانچہ غیرت مند مسلمانوں نے ان تمام چیزوں سے اجتناب کیا۔

③ اگر مذہب اور ثقافت میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا تو پھر مسلمانوں کو فوری طور پر ان تمام ہندوانہ چیزوں کو اپنا لینا چاہئے تھا یا کم از کم جو لوگ اس کے حق میں ہیں انہیں تو ہندوانہ لباس پہن کر، بندیا لگا کر اور کرپال ڈال کر اس کا فخریہ اظہار کرنا چاہئے!

④ اگر علاقائی کلچر مذہب کے منافی نہیں ہوتا یا مذہب علاقائی کلچر کو من وعن اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے تو پھر لامحالہ دو صورتیں پیدا ہوں گی: ایک تو یہ کہ اس سے مراد خاص علاقائی کلچر ہے اور دوسری یہ کہ اس سے ہر خطے کا علاقائی کلچر مراد ہے۔ اول الذکر صورت میں ضرورت ہے کہ اسلام صرف عربوں کا دین ٹھہرے اور اسے آفاقی حیثیت سے محروم کردیا جائے۔ ثانی الذکر صورت میں یہ دین اکبری کی طرح محض 'ملغوبہ' بن جائے گا کہ جس علاقے میں بھی یہ پہنچے وہاں کی ثقافت اور علاقائی کلچر میں ڈھل جائے اور اس طرح اس کی وہ امتیازی حیثیت از خود فنا ہوجائے گی جس کے ساتھ اسے بھیجا گیا اور جس امتیازی حیثیت کو منوانے کے لئے مال وجان کی بے پناہ قربانیاں اور صبر واستقامت کی لازوال داستان ہمارے اسلاف نے رقم کی ہے، وہ پامال ہوجائے گی۔

دراصل ہندو مت میں مذہب و ثقافت تقریباً مدغم ہیں۔ جن چیزوں کو ان کے ہاں علاقائی ثقافت کا درجہ حاصل ہے وہی ان کے مذہب کی تائید لئے کھڑی ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کی شادی بیاہ کی رسومات کی مثال بڑی واضح ہے جبکہ مغربی معاشرے میں پاپائیت کی شکست کے بعد مذہب کو ثانوی حیثیت دے دی گئی ہے۔ لیکن اسلام کا معاملہ بالکل منفرد ہے۔ دین اسلام اوّل تو آخری الہامی دین ہے اور پھر اس کے اصول وضوابط کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ یہ تاقیامت پیش آنے والے تمام مسائل کا حل پیش کرنے اور راہِ عمل متعین کرنے کی صلاحیت

www.KitaboSunnat.com

رکھتا ہے۔اس کے اصول و ضوابط منجانب اللہ طے ہیں۔ جن کی روشنی میں کسی بھی علاقائی مسئلہ اور زمانی واقعہ کا تجزیہ بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ علاقائی ثقافت کے معاملے میں بھی اسلام ہی کسوٹی ہے جس پر ہر مشتبہ چیز کو تولا اور حق و باطل میں نکھار پیدا کیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ ہر بندے کے کرنے کا کام نہیں بلکہ اس کا حق وہی لوگ رکھتے ہیں جو راسخ فی الدین علما ہیں۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ 'بسنت علاقائی تہوار ہے' اس میں کوئی شک نہیں بلکہ خود موصوف نے یہ تسلیم کیا ہے کہ "بسنت بنیادی طور پر ہندوؤں کا تہوار ہے مگر مسلمانوں نے اس میں دلچسپی لینا شروع کردی۔" (ص:۱۸) لیکن شرعی نقطہ نگاہ سے اصل سوال یہ ہے کہ اسلام اس علاقائی ہندوانہ تہوار (جس میں ان کا مذہبی رنگ بھی شامل ہے) کو منانے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب اُصولی لفظوں میں ہم دے چکے ہیں کہ "اسلام دو تہواروں (عیدین) کے علاوہ کسی اور تہوار منانے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا خواہ وہ مذہبی تہوار ہو یا علاقائی!"

واقعاتی حقائق بھی اس کی تائید کرتے ہیں کہ جب سرزمین ہند پر مسلمانوں نے قدم رکھے تو یہاں بھی بیسیوں تہوار، سینکڑوں رسوم وروایات، اور ہزاروں بدعات و خرافات تھیں، مگر مسلمانوں نے ہمیشہ اپنی مسلم شناخت برقرار رکھنے کی کوشش کی اور ان تہواروں سے اپنے آپ کو دور رکھا۔

اسی طرح ایک صاحب نے حسین بن منصور حلاج کے حوالے سے جو یہ بات ذکر کی کہ انہوں نے کہا: "میرا نوروز ابھی نہیں آیا؟" تو ان کے یہ کہنے سے 'نوروز' یا کسی اور تہوار کا جواز آخر کیسے نکل آیا؟ اس سلسلہ میں واضح رہے کہ اگر کسی زمانہ یا علاقہ میں مسلمانوں کے بعض افراد یا حکمران طبقہ کسی غیر اسلامی تہوار یا غیر اسلامی رسوم وروایات پر عمل پیرا ہوجائے تو اس سے وہ غیر اسلامی تہوار یا رسم ورواج اسلامی نہیں بن جائیں گے۔ کیونکہ اسلام وہی ہے جو چودہ سو سال پہلے محمد عربیؐ پر مکمل کردیا گیا۔ بعد کے ادوار میں خود مسلمانوں کے اعمال جیسے تیسے بھی ہوں، ان کو پرکھنے کی کسوٹی قرآن وحدیث ہے نہ کہ بعض مسلمانوں کا طرزِ عمل!

تہواروں، میلوں ٹھیلوں کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر تو اوپر واضح ہوچکا کہ اسلام صرف دو تہواروں کی اجازت دیتا ہے اور ان کے علاوہ کوئی تہوار خواہ اس کی نوعیت مذہبی ہو یا علاقائی، تاریخی ہو یا موسمی، اسلام اسے غلط قرار دیتا ہے۔ لیکن ان حقائق اور اصولی باتوں کے باوجود اگر کوئی صاحب یہ دعویٰ کریں کہ "بسنت میلہ منانے سے کون سا اسلامی ضابطہ مجروح

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے؟'' تو پھر ان کی اس سوچ پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔

ان تہواروں کے غیر اسلامی ہونے کی وجوہات اخلاقی اور سماجی بھی ہیں، مثلاً:

فحاشی و بے حیائی کی ترویج اور جنسی بے راہ روی

اسلام ایک مقدس دین ہے جو پاکیزہ اقدار ہی کو فروغ دیتا ہے جبکہ ان تمام ذرائع ووسائل کا بھی دروازہ بند کرتا ہے جو معاشرتی استحکام میں رخنہ اندازی کا باعث ہوں۔ اسی لئے فحاشی کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ}(النور:۱۹) ''یقیناً جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحش (وبے حیائی) پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔''

بسنت اور ویلنٹائن ڈے دونوں ہی فحاشی و بے حیائی کے فروغ کا ایک بڑا ذریعہ ہیں۔ ویلنٹائن ڈے تو ہے ہی فحاشی کا دوسرا نام جبکہ بسنت میلہ جس کا اکٹھ ویلنٹائن ڈے سے خود بخود ہوتا جارہا ہے، بھی مسلم معاشرے کو سفلی خواہشات، جنسی انارکی اور اباحیت کی طرف دھکیل رہا ہے۔ جب بسنت کے موقع پر ہر دوسرے گھر سے فحش گانوں کی صدائیں بلند ہورہی ہوں اور بسنت نائٹ کے موقع پر ملک کا نودولتیا طوائفوں کی 'خدمات' حاصل کرکے طوفانِ بدتمیزی بھی پیدا کررہا ہو تو ڈر لگتا ہے کہ نجانے کب اللہ کے عذاب کا بھی سنگین کوڑا اس اُمت پر برس پڑے جو عاد و ثمود اور قومِ لوط پر برسا تھا!!

غیر مسلموں سے مشابہت

مسلمانوں کے دینی شعار اور ثقافتی طور طریقے اپنے ہیں جن میں غیر مسلموں کی نقالی ومشابہت سے بچنے کا پرزور حکم دیا گیا ہے۔ حدیثِ نبوی ہے: «من تشبه بقوم فهو منهم» ''جس نے غیر مسلموں کی مشابہت کی وہ انہی میں سے ہے۔'' (ابوداؤد:۴۰۳۱)

مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنی دینی روایات کا تحفظ کرسکیں جبکہ تمام اچھی چیزیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں مثلاً مفید سائنسی ایجادات وغیرہ خواہ وہ کافروں ہی سے کیوں نہ ملیں، اسلام ان کے استفادہ سے ہرگز منع نہیں کرتا مگر ان نام کے مسلمانوں پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے جو غیر مسلموں کی دین واخلاق سے عاری عادات کو تو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں لیکن جو جدید ٹیکنالوجی اور سائنسی ترقی ان سیلینی چاہیے اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتے.....!!

www.KitaboSunnat.com

اب ویلنٹائن ڈے کے موقع پر اجتماعی شادیوں کا رجحان بھی بڑھ رہا ہے۔ اجتماعی شادی کا رواج غیر شرعی تو نہیں لیکن اسے ویلنٹائن ڈے کے ساتھ ملانا مناسب نہیں۔ اسی طرح میاں بیوی کا آپس میں تحائف کا تبادلہ اور خوشی ومحبت کا اظہار یقیناً مستحب ہے مگر ویلنٹائن ڈے کی مناسبت سے آپس میں تحائف کا تبادلہ کرنا اور خاص اسی روز ایک دوسرے کو پھول پیش کرنا غیر مسلموں کی نقالی کے پیش نظر نامناسب ہے لہٰذا ایسے موقع پر اس طرح کے عمل سے اجتناب ضروری ہے۔

پتنگ بازی سے انجانی ہلاکتیں اور معاشی نقصانات

کسی اجتماعی پروگرام کے انعقاد میں فتنہ و فساد یا معصوم لوگوں کی ہلاکت کا معمولی اندیشہ بھی ہو تو ہماری حکومت ایسے پروگرام کے انعقاد کی بالکل اجازت نہیں دیتی۔ واقعتا امن عامہ کے قیام کا یہ اہم تقاضا ہے لیکن بسنت میلہ کے موقع پر ان گنت ہلاکتوں کا نہ صرف یقینی خدشہ ہوتا ہے بلکہ جہاں ہر سال اس موقع پر بیسیوں انجان ہلاک ہو جاتے ہیں وہاں سینکڑوں افراد زخمی بھی ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود 'بسنت میلہ' پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی بلکہ المیہ یہ ہے کہ گزشتہ سال پتنگ بازی پر پابندی تو عائد کی گئی مگر عین بسنت کے موقع پر پورے ایک ماہ کے لئے یہ پابندی اٹھالی گئی پھر جب بسنت اپنے یقینی نقصانات اور بے شمار ہلاکتوں کے ساتھ روانہ ہو گئی تو دوبارہ اس پر پابندی عائد کردی گئی۔

راہ جاتے ہمارے سامنے موٹر سائیکل سواروں کے گلے پر ڈور پھرنے اور شہ رگ کٹنے سے سڑک پر تڑپ تڑپ کر جان دینے کے جو واقعات رونما ہو رہے ہیں، ان کا تسلسل تو سارا سال ہی جاری رہتا ہے جس کے پیش نظر ضروری ہے کہ پورے سال کے لئے اس خونی کھیل پر پابندی لگادی جائے۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ گردن کٹنے کا معاملہ دھاتی یا کیمیکل ڈور سے پیش نہیں آتا بلکہ شیشے کی مانجھا لگی ڈور ہی گردن کاٹنے کا ذریعہ بنتی ہے اور دکانوں پر دستیاب ہر ڈور پر یہ مانجھا لگا ہوتا ہے بلکہ جس ڈور پر مانجھا نہ لگا ہو، اسے ڈور ہی نہیں کہا جاتا۔

اسی طرح واپڈا/لیسکو کا جو نقصان پتنگ بازی میں دھاتی تار کے استعمال سے ہوتا ہے وہ ایک الگ داستان ہے۔ علاوہ ازیں پتنگ بازی کے کھیل میں جو باہمی لڑائیاں اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں وہ اس پر مستزاد ہیں۔ مذکورہ بالا نقصانات کے پیش نظر اس کھیل کی کسی طور اجازت نہیں دی جانی چاہئے۔

www.KitaboSunnat.com

پتنگ بازی کے حامی بعض افراد یہاں یہ نکتہ اٹھاتے ہیں کہ ان نقصانات کا کوئی اور حل نکالنا چاہئیے نہ کہ پتنگ بازی کی تفریح کو بند کر دیا جائے۔

بظاہر تفریح کا پہلو درست نظر آتا مگر یہاں صورت حال یہ ہے کہ پتنگ بازی سے پیدا ہونے والے مضر اثرات اتنے شدید ہیں کہ جب تک کہ خود پتنگ بازی پر پابندی نہ لگائی جائے ان نقصانات کا ازالہ نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً لاہور شہر کے تمام راستے اور سڑکیں دن رات زیر استعمال رہتی ہیں اور پورا شہر آباد ہے جبکہ لاہور کے کسی بھی علاقے میں خواہ اندرونِ شہر موجود پارک اور کھیلے میدان ہی کیوں نہ ہوں، پتنگ بازی کی وجہ سے کٹنے والی پتنگوں کی ڈوریں لامحالہ ان راستوں اور سڑکوں پر گریں گی جہاں سے موٹر سائیکل سواروں کی جانیں مسلسل خطرے میں رہیں گی۔ اس کا تو آخری حلیبی تجویز کیا جاسکتا ہے کہ سائیکل اور موٹر سائیکل سواری ہی پر پابندی لگا دی جائے!!

فضول خرچی

اگر کسی موقع پر غیر ضروری خرچ کیا جائے تو اسے 'اسراف' کہتے ہیں یا ایسی جگہ پر خرچ کیا جائے جہاں خرچ ٹھیک نہیں تو اسے 'تبذیر' کہا جاتا ہے۔ قرآن وسنت میں اسراف و تبذیر (یعنی فضول خرچی کی ہر صورت) کی سخت مذمت کی گئی ہے مثلاً قرآنِ مجید میں ہے:

{وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ} (الاعراف:۳۱)

"(اے بنی آدم!) کھاؤ، پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں فرماتا جو حد سے تجاوز کرتے ہیں۔"

دوسری جگہ فضول خرچی کی مذمت میں اس سے بھی سخت انداز اختیار کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: {وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا} (الاسرائ:۲۶،۲۷) "فضول خرچی نہ کرو، یقیناً فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔"

یہ تو تھا اسراف و تبذیر کے بارے میں قرآنِ حکیم کا حکم، اب ان آیات کی روشنی میں آپ پاکستانی مسلمانوں کی موجودہ روش کا جائزہ لیں جہاں ایک طرف ویلنٹائن ڈے اور بسنت میلہ کے مسرفانہ تہواروں پر کروڑوں روپے نذر کئے جاتے ہیں اور دوسری طرف ملکی معیشت کی ابتری کا یہ حال ہے کہ پاکستان کا ہر نومولود عالمی بنکوں کا مقروض بن کر اس سرزمین پر آنکھ کھولتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح پاکستان کا چالیس فیصد طبقہ وہ ہے جو خطِ غربت کے نیچے زندگی بسر کررہا ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں دوشیزائیں ایسی ہیں جو والدین کی دہلیز پر محض اس لئے بوڑھی ہورہی ہیں کہ ان کے والدین ان کے نکاح کا واجبی خرچہ بھی نہیں رکھتے۔ اسی طرح ہزاروں ماں باپ ایسے ہیں جو وسائل کی عدم دستیابی کی وجہ سے اپنی اولاد کو تعلیم دلوانے سے قاصر ہیں۔ ان گنت افراد ایسے ہیں جن کے پاس روزگار کے مواقع نہیں اور بے شمار گھرانے ایسے ہیں جنہیں دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں۔ غربت و جہالت، بے روزگاری اور دیگر معاشرتی پریشانیوں سے اہل پاکستان کو آگاہ کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، اس لئے ان کے تذکرہ سے مقصود صرف یہ ہے کہ بسنت میلہ پر روپیہ ضائع کرنے والے اس طرف توجہ دیں اور اپنی رقم کو وہاں خرچ کریں جہاں اس کے خرچ کی اشد ضرورت ہے اور یہی خرچ دنیا میں باعث برکت اور آخرت میں باعث اجر و ثواب بھی ہے۔

حق داروں کی حق تلفی

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر بہت سے حقوق ہیں۔ جنہیں حقوق العباد کہا جاتا ہے۔ مسلم معاشرے میں ان حقوق کی پاسداری کی حد سے زیادہ ترغیب دلائی گئی ہے۔ مگر بسنت میلہ کے موقع پر ان حقوق کی صریح پامالی ہوتی ہے۔ ہماری آبادیاں 'میدانِ جنگ' کا منظر پیش کررہی ہوتی ہے، بجلی کی باربار ٹرپنگ، فائرنگ، دھماکوں اور باجوں کا کان پھاڑتا شور، اور ہوہو کا ایسا عالم چوبیس گھنٹوں کے لئے برپا ہوتا ہے کہ عام آدمی کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے جب کہ بیماروں کی زبانیں بدعاؤں کے لئے مجبور ہوجاتی ہیں۔ مگر بسنت کے شیدائیوں اور مست حال اوباشوں کو اس کی مطلق پرواہ نہیں ہوتی۔ اگر یہ مسلمان ہیں تو انہیں نبی اکرم ﷺ کے ان فرامین کو غور و فکر سے بار بار پڑھنا چاہیے:

«المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده» (بخاری:۱۰)

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''

«من كان يؤمن بالله واليوم الاخر فلا يؤذ جاره» (بخاری:۶۰۱۸)

''جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کو تکلیف نہ دے۔''

تفریح کے لیے پتنگ بازی کا مسئلہ

اگر یہ مان لیا جائے کہ پتنگ بازوں کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل ہے جو اسے مذہبی

www.KitaboSunnat.com

رنگ میں نہیں بلکہ تفریحی انداز پر مناتے ہیں تو اس لحاظ سے بظاہر پتنگ بازی ایک کھیل معلوم ہوتا ہے مگر پھر بھی اسے دوسرے کھیلوں کی طرح حدود و قیود کا پابند بنانا ہوگا۔ بلکہ دنیا کے وہ ممالک جہاں اسے ایک کھیل کی حیثیت حاصل ہے وہاں اس کی سخت شروط و قیود لاگو ہیں جن کی خلاف ورزی کی صورت میں سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔ شرعی اور اقتصادی نقصانات سے قطع نظر پتنگ بازی کے کھیل کے لیے یہ پابندی ضروری ہے کہ مقامی اور عوامی مقامات کی بجائے آبادی سے دور کھلے میدانوں اور دریاؤں یا سمندروں کے ساحلوں پر اس کا اہتمام کر لیا جائے۔ اس لئے اگر کوئی من چلا اسے کھیل سمجھتے ہوئے اپنا شوق پورا کرنا ہی چاہتا ہے تو اسے آبادی اور آمد و رفت کے مقامات سے دور کہیں جنگل میں یا دریا کے کنارے بھیج دینا چاہئے تاکہ وہ اپنا شوق بھی پورا کرلے اور کسی معصوم جان کا ضیاع بھی نہ ہو اور عام شہریوں کے سکون میں خلل بھی واقع نہ ہو۔

تعلیم یافتہ دین دار بچیوں کے لئے رشتے درکار ہیں!

اسلام آباد میں مقیم دینی و علمی گھرانے کی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور شعبہ تدریس سے وابستہ بچیوں (عمر ۲۵ سے ۳۰ سال) کے لئے اعلیٰ تعلیم اور دینی رجحان و جذبہ رکھنے والے موزوں رشتے درکار ہیں۔ ذات برادری کی قید اور تعصب سے بالا افراد کو ترجیح دی جائے گی۔

برائے رابطہ: اے، رحمن اسلام آباد موبائل 0333-5134371 abdur_r@hotmail.com

دعائے صحت کی درخواست

نامور عالم دین، مصنفِ کتب کثیرہ، تحریک المجاہدین کے سابق امیر مولانا خالد سلفی گرجاکھی اپنے عمر کے قریباً ۸۵ سال سے تجاوز کرچکے ہیں اور ان دنوں انتہائی علیل ہیں۔ قارئین سے ان کیلئے دعاؤں کی درخواست ہے۔ (مولانا محمد بن خالد گرجاکھی، گوجرانوالہ)

❁ محترم **محمد عطاء اللہ صدیقی** چند سالوں سے طبی عوارض سے دوچار ہیں، فروری کا پورا مہینہ ان کی صحت شدید متاثر رہی ہے، جس کے دوران مطالعہ اور لکھنے کا کام بالکل بند ہو گیا۔ الحمد للہ اب چند دنوں سے صحت قدرے بحال ہے، قارئین ان کی صحت کے لئے دعا فرمائیں تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ اسلام کی خدمت کرسکیں۔ (ادارۂ محدث)

www.KitaboSunnat.com

تعارف و تبصرہ

حلقہ اشراق کی کتاب 'تصویر کا مسئلہ' پر ایک نظر

جناب مدیر صاحب مجلہ 'محدث' لاہور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

گذارش ہے کہ مجلہ 'اشراق' ۹۸/ای، ماڈل ٹاؤن لاہور کی اشاعت مئی ۲۰۰۰ء میں 'تصویر' کے عنوان سے محمد رفیع مفتی کے مضمون کی پہلی قسط شائع ہوئی۔ جو بعد ازاں، جون، جولائی، اگست، ستمبر اور اکتوبر ۲۰۰۰ء تک بالاقساط شائع ہوتا رہا۔ پچھلے دنوں بندہ کی نظر سے یہ مضمون گذرا۔ دوست احباب سے گفتگو کے بعد پتہ چلا کہ بہت سے لوگ متاثر ہو رہے ہیں جبکہ مفتی صاحب کا موقف عام فقہا اور محدثین سے ہٹ کر ہے۔ بنابریں اشد ضرورت ہے کہ اس کا مدلل اور مفصل جواب اہلِ حق کی طرف سے ہونا چاہئے۔ بعض اہل علم کے مشورہ سے جناب کی طرف رجوع کر رہا ہوں کیونکہ آپ اپنے مجلہ محدث میں ہر مسئلہ پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں۔ اگر پیشتر ہی آپ کسی اشاعت میں اس کا جواب دے چکے ہیں تو براہِ کرام اس کی نشاندہی فرمادیں۔ مفتی صاحب اپنے مضمون کو اس تمہید کے ساتھ شروع کر رہے ہیں:

''تصویر کے بارے میں ہمارے ہاں عام موقف یہ پایا جاتا ہے کہ کسی بھی ذی روح یعنی جان دار کی تصویر یا اس کا مجسمہ بنانا شرعاً حرام ہے، البتہ غیر جاندار کی تصویر یا مجسمہ بنانا جائز ہے۔ یہ موقف دراصل تصویر کے بارے میں ہمارے فقہا کی آرا پر مبنی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ نقطہ نظر تصویر کے بارے میں خود قرآن و حدیث کے اپنے مدعا ہی کے خلاف ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم اس نقطہ نظر کا تنقیدی جائزہ لیں گے اور صحیح رائے واضح کریں گے۔''

مفتی صاحب نے وہ سب حدیثیں پیش کی ہیں جو تصویر کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں اور پھر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان کا مطلب وہ نہیں جو عام طور پر لیا جاتا ہے۔ براہِ مہربانی ضرور تعاون فرمائیں۔ (عبدالرحمن، اوکاڑہ، ۲۸/فروری ۲۰۰۴ء)

جواب: حلقہ اشراق جس طور مغربیت کی طرف بڑھ رہا ہے، وہ اسلامی معاشرے اور اُمتِ مسلمہ کے لئے بڑا خطرناک رجحان ہے، بالخصوص وحی کی دو صورتوں قرآن و حدیث کو باہمی ٹکرا کر جس طرح مغربی ثقافت کے لیے راہ ہموار کی جارہی ہے وہ خوفناک سازش ہے۔

www.KitaboSunnat.com

اس سلسلہ میں ان میں فکر و نظر کی جو کجی پائی جاتی ہے اور دین و شریعت کی پابندی کے بجائے عقل و فطرت کے دعووں سے افراط و تفریط کا جو دور دورہ ہے، اس سے اہل علم بھی پریشان ہیں۔ کیونکہ مسٹر جاوید احمد غامدی عموماً اُمت ِمسلمہ کے ماضی، ائمہ اسلاف اور فقہاے کرام کا ذکر یوں توہین آمیز انداز میں کرتے ہیں کہ یہ الہامی انکشاف اُنہیں پہلی دفعہ ہوا ہے جب کہ علماے اُمت فہم شریعت اور عقل و بصیرت سے محروم تھے۔ چنانچہ اسی تجدد کے شوق میں وہ حدیثِ رسولؐ کو وحی تسلیم کرنے سے بہانہ بہانہ سے گریزاں ہیں تا کہ اہل سنت کے علی الرغم اعتزال و نیچریت کے لیے راہیں ہموار کریں۔

'حلقہ غامدی' کے قلمکار جاوید احمد غامدی کی تعلّی کے زعم میں علماءِ امت کے عمومی رجحانات کے حوالہ سے مشرقی ثقافت پر تنقید کرتے رہتے ہیں۔ جس سے واضح ہے کہ وہ غلام احمد پرویز کی طرح علماء و فقہا سے لوگوں کو بدظن کرکے مسٹر غامدی کی امامت منوانا چاہتے ہیں۔ اگرچہ ماضی میں بھی قرآن و حدیث (وحی) کی حکمتیں اور معرفتیں معلوم کرنے یا بیان کرنے کا کام اُمت میں بہت سے جلیل القدر اہل علم نے کیا ہے جن میں حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلویؒ برصغیر میں نمایاں ہیں۔ لیکن حکیم الامت کے برعکس مسٹر جاوید احمد غامدی کا حلقہ اپنی مزعومہ حکمتوں اور علتوں کو ہی اصل قرار دے کر اپنے نام نہاد مفروضوں کو شریعت باور کرانے پر تلا ہوا ہے جس کے لئے وہ نہ تو ائمہ محدثین کے فن ِثبوت کو معیار مانتے ہیں اور نہ ہی استدلال میں فقہاے سلف کے اُصولوں کی پابندی کرتے ہیں۔ جیسے مطلب برآری ہوتی ہو، مروّجہ اصطلاحات کو استعمال تو کیا جاتا ہے لیکن ان کو من گھڑت معانی پہنا کر ہواے نفس پوری کی جاتی ہے۔ اسی بنا پر ان کے حلقہ سے جو چیز آئے، اسے کتاب و سنت کی کسوٹی پر حزم و احتیاط سے پرکھ کر ہی لینا چاہئے!!

❁ تصویر کے مسئلہ پر آپ نے محمد رفیع مفتی کے جس مقالے کا ذکر کیا ہے اس میں مفتی صاحب[1] نے غامدی صاحب کے زیر اثر کئی جگہ اُصولی غلطیاں کی ہیں، کیونکہ استدلالی علوم کے علاوہ انہیں عقائدِ اسلامی سے بھی زیادہ آشنائی نہیں ہے مثلاً اپنی کتاب 'تصویر کا مسئلہ' ص۸۶ میں لکھتے ہیں:

"یہ موحدین حواس کی گرفت میں نہ آنے والے یعنی نہ دکھائی دینے والے اور نہ محسوس

(۱) واضح رہے کہ محمد رفیع صاحب کا 'مفتی' منصب نہیں ہے بلکہ ان کا 'لقب' ہے۔ اس سے ان کے علم و فضل کے بارے میں دھوکا نہیں ہونا چاہئے۔ (محدث)

www.KitaboSunnat.com

ہونیوالے خدا کو مانتے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ جب اسکے قائل ہی نہیں تھے کہ خدا کو متصور کرنا ممکن بھی ہے اور اسے حواس کی گرفت میں لایا بھی جاسکتا ہے تو پھر وہ اسکی شبیہ کیسے بناسکتے تھے؟"

مذکورہ بالا عبارت میں وہ اعتزالی عقائد کے زیر اثر دنیا و آخرت میں مطلقاً دیدارِ الٰہی کا انکار کر کے اپنے طور پر مشبہہ کا رد کررہے ہیں حالانکہ یہ عقیدہ جہمیہ معطلہ کا ہے۔ جبکہ حق مشبہ اور معطلہ کے درمیان ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

اسی طرح وہ حضرت سلیمانؑ کے بارہ میں سورۂ سبا کی آیت نمبر ۱۳ میں 'تماثیل' کے ذکر سے اپنے استدلال کو مضبوط بنانے کیلئے شرائعِ اسلامیہ کا تصور ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

''تماثیل اگر شر ہیں تو ہمیشہ کے لئے ہیں اور اگر خیر ہیں تو ہمیشہ کے لئے ہیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ یہ ایک شریعت میں جائز ہوں اور ایک میں ناجائز..... الخ'' (ص: ۲۳)

غامدی فکر کی بڑی اساس اسرائیلیات (بائبل وغیرہ) ہیں جسے وہ 'حدیثِ رسولؐ' پر مقدم رکھتے ہیں۔ اسی بنا پر وہ بہت سے مسائل میں سابقہ شرائع کے تنوع کے قائل نہیں۔ جبکہ محمدی شریعت میں ایسے کئی مسائل موجود ہیں جو کسی سابقہ شریعت میں جائز ہونے کے باوجود آخری اور اکمل حکم کے طور پر ناجائز قرار پائے۔ مثلاً سجدۂ تعظیمی جو فرشتوں سے آدمؑ کو کروایا گیا اور حضرت یوسفؑ کو ان کے ماں باپ سمیت تمام بھائیوں نے کیا لیکن شریعتِ محمدیہ میں یہ سجدۂ تعظیمی ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا گیا۔

ان تحفظات کے باوجود محمد رفیع مفتی صاحب کی تصویر کے مسئلہ پر یہ تحریر اس اعتبار سے اچھی نظر آئی کہ انہوں نے قرآن وحدیث کے درمیان تضاد پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ کے علاوہ فقہاے سلف کو بھی ایک موقف (خواہ اُدھورا ہی ہو) پر متفق بنانے کی کوشش کی ہے جو ان کی نظر میں کتاب وسنت ہی کا کامل مفہوم ہے۔

اس تاثر کو قائم رکھنے کی حد تک تو ان کی کاوش اچھی لگی لیکن اس کے لئے اُنہوں نے احادیث کا جابجا ذکر کرکے تصویر کی شرعی حیثیت اور سلف کا یک رخا موقف واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہمیں محمد رفیع مفتی صاحب کے شرعی فتویٰ سے تو اختلاف ہے، لیکن ان کا اندازِ استدلال کم از کم اشراق کے حلقے سے متاثر ہونے والے ایک شخص کے لحاظ سے قابل تعریف ہے۔ کاش کہ وہ ان خطرات کو بھی ملحوظِ نظر رکھ سکتے جو ان کی اس موضوع پر 'ناقص بحث' سے تصویر کی کھلے عام اباحت پر منتج ہوسکتے ہیں۔ کل کلاں کوئی من چلا یہ بھی آواز لگاسکتا ہے کہ "شبیہِ رسولؐ یا تصاویرِ انبیا کی اشاعت بھی صرف کراہت کے درجہ میں ہے، اس پر

www.KitaboSunnat.com

اُمتِ مسلمہ کو غیرت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے۔''

❁ ہمارے ہاں دینی حلقوں میں بھی سیاست کے غلبہ کی وجہ سے سیاست دان علما جس طرح اب کھلے عام تصویر نمائی سے کام لے رہے ہیں، باوجود یکہ ان کے اکابرین کچھ عرصہ پہلے تک اس کی حرمت پر متفق نظر آتے ہیں تو عوام میں غیر محتاط تصاویر کا استعمال یوں نظر نہ آتا۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم مغرب کی اندھا دھند تقلید کے لئے اباحتِ مطلقہ کے رویہ سے بچ کر سلف صالحین کے طور طریقوں کی اقتدا پر زور دیں: {وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ/ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّآلِّيْنَ} (لقمان:۱۵، الفاتحہ:۷)

''یعنی ہماری جانب عاجزانہ رجوع کرنے والے کی پیروی کر۔

یا اللہ! ہمیں ان لوگوں کی راہ پر ڈال جو مغضوب علیہم (یہود) اور گمراہ (نصاری) سے علیحدہ ہو کر تیرے انعام کے حامل ہوئے۔'' بقولِ اقبالؒ ع

زِ تقلید عالمان کم نظر اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

❁ ہماری نظر میں مفتی صاحب کا تصویر کے مسئلہ میں نقطہ نظر اُدھورا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اُصولِ فقہ (علم الاستدلال) سے ناواقف ہیں۔ فقہاء شرعی احکام کا تجزیہ کرتے ہوئے حرمت کی دو قسمیں کرتے ہیں: ❶ قبیح لعینہ ❷ قبیح لغیرہ

اگر بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ مفتی صاحب کا یہ موقف درست ہے کہ تصویر قبیح لعینہٖ یعنی فی نفسہٖ حرام نہیں جیسا کہ ان کے سارے دلائل اسی کے گرد گھوم رہے ہیں تو قبیح لغیرہٖ ضرور ہے۔ اگرچہ قبیح لغیرہٖ ہونے کی بنا پر کئی مواقع پر تصویر کا جواز نکل آئے گا جیسے تعلیم وتربیت کے لیے (جیسا کہ حضرت عائشہ کے پاس گڑیاں وغیرہ تھیں) یا اہانت ملحوظ رکھتے ہوئے گدوں اور تکیوں کی صورت میں کٹی پھٹی تصویروں کا استعمال۔ تاہم شریعت میں عمومی طور پر تصویر اُتارنے والوں کی مذمت اور تصویروں کی نمائش ممنوع ہی رہے گی۔

کون کہہ سکتا ہے کہ اگر محترم سیاسی یا مذہبی شخصیتوں کی کھلے عام تصویر کشی یا تصویر نمائی کی اجازت دے دی جائے تو یہی شخصیتیں کبھی اسی طرح مقدس حیثیت اختیار نہ کرجائیں گی جس طرح قومِ نوح کے صالحین کی تصویریں ہی ان میں بت سازی اور بت پرستی کا باعث بنی تھیں۔ اسی لئے ماضی قریب تک علما بلکہ مسلم دانشور بھی تصویر کی حرمت کا فتویٰ دیتے رہے جس میں نمایاں مثال مولانا مودودیؒ کی ہے۔ (حافظ عبدالرحمن مدنی)

www.KitaboSunnat.com

یادِ رفتگاں

پروفیسر ڈاکٹر غلام نبی☆

عالم کی زندگی..... تاریخ کا ورق!

حضرت مولانا محمد صادق خلیل بتاریخ ۶ فروری ۲۰۰۴ء بمطابق ۱۴/ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ بروز جمعۃ المبارک بعمر ۸۰/ سال اس دارِ فنا سے دارِ خلد کی طرف کوچ کر گئے!!

انا للہ وانا الیہ راجعون سبیل الموت غایۃ کل حي

ان کی موت نے بازارِ علم کی رونق کو کم کر دیا۔ علم و فن نے انہیں شرف و عزت بخشی اور انہوں نے علم کی خدمت کا حق ادا کر دیا۔

بستی اوڈانوالہ نے بڑے بڑے نامور اہل علم پیدا کئے۔ جن کی وجہ سے اس کی خاک کو شہرتِ دوام حاصل ہوئی۔ حضرت صوفی محمد عبداللہ عظیم مجاہد آزادی نے اس کی دھرتی کو ایسی رونق بخشی کہ اس کی قسمت کا ستارہ آسمانِ علم و فن کی بلندیوں پر چمکنے لگا۔ تاریخ نے ان کے نام، ان کے ایثار و خلوص اور ان کی لازوال قربانیوں کو امانت سمجھ کر اپنے صفحات میں محفوظ کرلیا۔ وہ ایک ایسے کیمیا گر ثابت ہوئے کہ اس کی مٹی کو سونے کی کان میں بدل دیا۔ پھر یہ کان سونا اُگلنے لگی۔ مولانا محمد صادق خلیل اِسی کان کی پیداوار ہیں۔

ان کے والدِ محترم کے حضرت صوفی محمد عبداللہ صاحب کے ساتھ مخلصانہ مراسم تھے۔ ان کی نگاہِ انتخاب ان کے بچے محمد صادق پر پڑی۔ انہوں نے بچے کو مانگ لیا اور اپنی شفقت و تربیت میں لے لیا۔ باپ کی خوش قسمتی دیکھئے کہ اس نے اپنی عزیز متاعِ حیات کو اللہ کی راہ میں دے کر اپنی بخشش کا سامان کرلیا۔ بچہ علم کی منزلیں طے کرتا رہا حتیٰ کہ بچہ علم میں پختہ ہو گیا۔ نصابی کتب پر عبور حاصل کرلیا۔ اب یہ حضرت صوفی عبداللہ کے مقدس ہاتھوں کا لگایا ہوا پودا ایک تناور درخت بن چکا تھا۔ ۱۹۴۵ء میں انہوں نے اپنے ہی مدرسہ میں ان کو مدرّس رکھ لیا۔ ان کے علم کی ابتدا یہی مدرسہ تھا۔ پھر ایک دنیا اس درخت کے ثمرات سے لذت یاب ہوئی۔ میں

☆ سرپرست اعلیٰ 'فہم قرآن انسٹیٹیوٹ' لاہور ..... سابق صدر شعبۂ علومِ اسلامیہ گورنمنٹ شالیمار کالج، لاہور

www.KitaboSunnat.com

نے ان سے جو کتابیں پڑھیں ان کے نام حسبِ ذیل ہیں:

سنن نسائی، کافیہ، قدوری، شرح وقایہ، فصولِ اکبری، قطبی اور بوستانِ سعدی

میرے ہم سبق جو طلبہ تھے، ان کے یہ نام ہیں: قدرت اللہ فوق، محمد علی جانباز، عبدالمجید سنانوی، عبدالغفور فیصل آبادی، عبدالرحمن فیصل آبادی، صلاح الدین چک نمبر ۹۲ گ ب اور محمد صدیق چک نمبر ۷۲ گ ب۔

یہ غالباً ۱۹۵۰ء کے بعد کا دور ہے جو خالص علمی دور تھا۔ کتابوں کے متون، شروح اور حواشی پڑھنے کا دور تھا۔ اساتذہ کرام کی سرگرمیاں نصابی کتب کی تدریس تک محدود تھیں۔ طالب علمی کے ابتدائی دور سے ہی مجھے عربی ادب پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ اُردو سے عربی میں ترجمہ کرنے کی مہارت حاصل کرنے کے لئے تعلیمی اوقات کے بعد عموماً میں حضرت مولانا کے گھر جایا کرتا تھا۔ یہ بہت حلیم الطبع انسان تھے۔ مجھے وقت دے دیا کرتے تھے۔ مجھے منفلوطی کے لکھے ہوئے ڈرامے، ناول اور افسانے پڑھنے کا بھی جنون تھا۔ میں ان میں موجود مشکل الفاظ، تراکیب اور جملوں کی طویل فہرستیں تیار کرتا اور مولانا کے پاس لے جاتا۔ آپ کمالِ شفقت سے ان کی تشریح فرمادیتے، کبھی بخل سے کام نہ لیتے۔

متانت، وقار، کسر نفسی اور خندہ پیشانی آپ کی سیرت کا بڑا حصہ تھا۔ میرے دورِ طالب علمی پر عرصہ دراز گزر چکا تھا مگر ان کے ذہن میں میری شناخت اور پہچان اسی طرح تازہ تھی جیسے آج بھی میں ان کا شاگرد ہوں۔ بڑی بے تکلفی کا اظہار کرتے اور مجھے کہتے تم میرے ایسے شاگرد ہو جس پر مجھے ناز ہے۔ چند ہفتوں کی بات ہے کہ مولانا میرے قریبی محلہ کی مسجد میں تشریف لائے، میں بھی مسجد میں موجود تھا۔ آپ کی طرف سے تفسیر قرآن (اصدق البیان) کی طباعت اور دیگر اخراجات کے سلسلے میں مالی اعانت کی اپیل ہوئی۔ لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ میرے بارے میں میرے سامنے آہستہ سے پوچھا: غلام نبی نے کتنی رقم دی ہے۔ جمع کرنیوالے نے کہا: کچھ رقم دی ہے، یہ عمل خیر کو مخفی رکھتے ہیں۔ بہت خوش ہوئے۔ آج وہ یہاں موجود نہیں ہیں مگر ان کے کردار کی جھلکیاں پردہ ذہن پر نمودار ہو رہی ہیں۔ انسان عارضی ہے مگر اس کا عمل ابدی ہے!!

www.KitaboSunnat.com

تعلیمی مرحلہ اور تدریسی خدمات

آپ نے جن بڑے بڑے اساتذہ سے علم حاصل کیا، وہ ہیں:

① مولانا احمد دین ② صوفی محمد عبد اللہ مہتم اور ③ صوفی محمد ابراہیم اوڈانوالہ
④ حافظ محمد محدث گوندلوی ⑤ حافظ محمد اسحق (حسین خان والا)
⑥ مولانا محمد داؤد انصاری رحمانی بوجھیانوی ⑦ مولانا عبدالرحمن نو مسلم (کراچی)
⑧ مولانا نواب الدین ⑨ مولانا ثناء اللہ ہوشیارپوری

اور بھی اساتذہ ہوں گے جن کو میدانِ تدریس میں زیادہ شہرت نہ ملی ہو۔ آپ نے میٹرک، فاضل عربی، فاضل فارسی کے امتحانات پرائیویٹ اُمیدوار کی حیثیت سے دیئے اور نتائج میں کامیابی حاصل کی۔ آپ نے عمر عزیز کے پچاس سال تدریسی مصروفیات میں گزارے۔ اس طویل عرصہ میں سینکڑوں طلبہ نے آپ سے علمی فیض پایا اور زیورِ علم سے آراستہ ہوئے اور پھر انہوں نے اپنی ضیا پاشیوں سے ایک عالم کو روشن کیا۔ آپ نے درج ذیل مقامات پر تدریسی خدمات سرانجام دیں۔

مولاناؒ اپنی تفسیر قرآن کے مقدمہ میں زیر عنوان سخن ہائے گفتنی صفحہ ۳۴،۳۵ پر لکھتے ہیں

> ''۱۹۴۵ء میں اوڈانوالہ میں جناب حضرت صوفی محمد عبداللہ صاحب نے مسندِ تدریس پر علمی خدمت کے لئے بٹھا دیا تھا۔ اللہ پاک ان کی قبر کو منور فرمائے۔ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے۔ آمین! چنانچہ سلسلہ تدریس بحمداللہ نصف صدی تک جاری رہا

① مدرسہ تعلیم الاسلام، اوڈانوالہ ۱۵ سال ② جامعہ سلفیہ فیصل آباد ۱۰ سال
③ جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن ۴ سال ④ مدرسہ تدریس القرآن، راولپنڈی ۳ سال
⑤ جامعہ لاہور الاسلامیہ ۳ سال ⑥ جامعہ ابی بکر کراچی ۱ سال
⑦ جامعہ اہلحدیث میاں صاحب، کراچی: ۱ سال ⑧ جامعہ قدوسیہ، کوٹ رادھا کشن ۱۳ سال

یہ وہ بابرکت اور خوش نصیب درس گاہیں ہیں جن کو آپ نے علم کا چمنستان بنا دیا۔ آج وہاں سے علوم و معارف کی خوشبو بکھر رہی ہے۔ آپ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:
مولانا عبدالحمید ہزاروی، مولانا حافظ احسان الٰہی ظہیرؒ، مولانا عبداللہ، راولپنڈی، مولانا ارشاد الحق اثری، پروفیسر محمد ظفر اللہ (جامعہ ابی بکر کراچی)، مولانا قدرت اللہ فوق، مولانا

www.KitaboSunnat.com

قاضی محمد اسلم فیروزپوری، حافظ فتح محمد فتحی، عبدالمجید سنانونی، مولانا محمد علی جانباز، سیالکوٹ اور پروفیسر غلام نبی (راقم)

قلمی خدمات

آپ ترجمہ و تالیف کا بہت عمدہ ذوق رکھتے تھے۔آپ نے اپنے علم کو صرف مدارسِ دینیہ تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ آپ نے قلم و قرطاس سے بھی کام لیا اور اشاعت علم کو وسعت بخشی۔ کیوں کہ جو علوم و معارف تحریر کی زد میں آجائیں وہ دوام پاجاتے ہیں۔لوگ ہمیشہ ان سے استفادہ کرتے رہتے ہیں:

يلوح الخط في القرطاس دهراً   وكاتبه رميم في التراب

آپ نے اس تحریری کام کو مستقل بنیادوں پر چلنے کے لئے ایک ادارہ بنام 'ضیاء السنۃ' قائم کیا اور متعدد چھوٹی بڑی عربی کتابوں کے اُردو میں ترجمے کئے۔ مثلاً

① اردو ترجمہ ریاض الصالحین (شرف الدین نووی) یہ احادیثِ نبویہ کا انتخاب ہے۔
② حج نبویؐ (اُردو ترجمہ حجة النبي) تالیف علامہ محمد ناصر الدین البانی
③ نمازِ نبویؐ (اُردو ترجمہ صفة صلاة النبي) تالیف علامہ محمد ناصر الدین البانی
④ 'قبروں پر مسجدیں بنانا اور اسلام' (اردو ترجمہ تحذير الساجد) تالیف علامہ البانی
⑤ نمازِ تراویح (اُردو ترجمہ صلاة التراويح) تالیف علامہ محمد ناصر الدین البانی
⑥ محمد بن عبدالوہاب (اُردو ترجمہ) تالیف احمد بن عبدالغفور عطار
⑦ امام احمد بن حنبل کا دورِ ابتلا (ترجمہ محنة الامام احمد بن حنبل از محمد نقش مصری)
⑧ عقیدہ اہل سنت والجماعت (اُردو ترجمہ شرح العقيدة الواسطية از ابن تیمیہؒ)
⑨ افکارِ صوفیا۔ اُردو ترجمہ الفكر الصوفي تالیف شیخ عبدالرحمن عبدالخالق، کویت
⑩ احادیثِ ضعیفہ کا مجموعہ تالیف: علامہ ناصر الدین البانیؒ
⑪ اذکار مسنونہ (اردو ترجمہ الكلم الطيب) تالیف: شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ
⑫ روضۂ اقدس کی زیارت (اُردو ترجمہ الرد على الأخنائي) تالیف: شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ
⑬ اسلامی عقائد (اُردو ترجمہ شرح عقیدہ طحاویہ) تالیف: ابن ابی العز حنفی
⑭ اُردو ترجمہ 'مشکوٰۃ المصابیح' از علامہ خطیب بغدادیؒ

www.KitaboSunnat.com

⑮ عقیدہ اہل سنت والجماعہ اُردو ترجمہ تالیف: امام ابن تیمیہ

⑯ ترجمہ الفرقان بین أولیاء الرحمن وأولیاء الشیطان

اس ادارے کو ایک اور شرف بھی حاصل ہے کہ اس کی طرف سے جامع ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی کو شائع کیا گیا ہے جو بہت بڑی علمی خدمت ہے۔ یہ شرح علامہ عبدالرحمن مبارکپوریؒ نے مرتب کی ہے جو مسلم دنیا میں فن حدیث کے امام تسلیم کئے جاتے ہیں۔

مولانا حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے۔ آپ نے سعودی عرب کے مشہور شہروں کو دیکھا۔ ریاض اور درعیہ بھی گئے، وہاں اہل علم سے ملاقاتیں کیں۔ مولانا عطاء اللہ حنیف، مولانا محمد حنیف ندوی اور مولانا محمد اسحق بھٹی کے ساتھ ان کا دلی لگاؤ تھا۔

ان کے پاس ان کا آنا جانا بھی تھا۔ آپس میں ایک دوسرے کے لئے خلوص و محبت کے جذبات رکھتے تھے۔ مولانا ندوی کے اُسلوبِ نگارش کو بنظر تحسین دیکھتے تھے۔ امام ابن تیمیہؒ کو اپنا فکری رہنما سمجھتے تھے۔ ان کی تالیف کو ہدایت کی روشن قندیلیں قرار دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی ترجمانی کے لئے چن لیا تھا۔ قرآن کی مجسم تفسیر تھے۔ اسی لئے ارض و سماء والوں نے ان کو ترجمان القرآن کہا۔

حضرت امیر المجاہدین صوفی محمد عبداللہ کو اپنا محسن و مربی کہتے تھے۔ زندگی کے آخری دور میں اپنے آپ کو خدمتِ قرآن کے لئے وقف کردیا۔ آپ نے قدیم وجدید تفاسیر کو پیش نظر رکھ کر قرآن حکیم کی تفسیر 'احسن البیان' لکھی۔ اپنی تمام ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر علمی نکات بیان کئے۔ رائج الوقت عام فہم اُردو زبان میں لکھا۔ قاری کے لئے قرآن فہمی میں بہت آسانی پیدا کردی۔ اس تفسیر کی پانچ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ تفسیر کی اشاعت کا کچھ کام باقی ہے۔ اُمید ہے وہ بھی جلد زیورِ طبع سے مزین ہو کر منظر عام پر آجائے گا۔

مولانا مرحوم اس لحاظ سے خوش نصیب ہیں کہ زندگی کے آخری لمحات تک بتوفیق الٰہی اپنے مشن (تبلیغ اسلام) کی تکمیل کے لئے متحرک اور سرگرم رہے۔ انہوں نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ اور آیت {قُلْ اِنَّ صَلاَتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ اللّٰہِ رَبِّ العَالَمِیْنَ} کا عملی نمونہ پیش کیا اور انہیں لوگوں کے بارے میں قرآن کا اعلان ہے۔ أُولٰئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں!

مولانا کے بارے مزید معلومات کیلئے: مجلہ الدعوۃ مارچ ۲۰۰۴ء ص ۵۵ اور قافلہ حدیث از مولانا محمد اسحق بھٹی

www.KitaboSunnat.com

تذکرۂ ایام

محمد اسلم صدیق

مولانا صادق خلیل اور جامعہ لاہور الاسلامیہ

یہ حقیقت ہے کہ دو گز زمین اور منوں مٹی تلے ٹھکانہ ایک نہ ایک دن ہر انسان کا مقدر ہے۔ لیکن کچھ لوگ اتنے عظیم ہوتے ہیں کہ ان کی موت وحیات گہرے اثرات چھوڑ جاتی ہے۔ دنیا ان کو عرصہ تک یاد رکھتی اور ان کے علمی و عملی نقوش سے مدتوں فیض یاب ہوتی ہے۔ موت العالِم موت العالَم (عالم کی موت جہاں کی موت ہوتی ہے!)

شیخ الحدیث مولانا محمد صادق خلیل بروز جمعۃ المبارک ۱۴/ذوالحجہ ۱۴۲۴ بمطابق ۶/ فروری ۲۰۰۴ء کو مختصر علالت کے بعد عمر کی ۸۰ بہاریں دیکھ کر اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگئے۔ اناللہ وإنا الیہ راجعون۔ مولانا ایک جید عالم اور بلند پایہ مصنف تھے۔ انہوں نے متعدد اہم کتب کا نہ صرف ترجمہ کیا بلکہ 'اصدق البیان' کے نام سے اُردو زبان میں قرآن کریم کی ایک ضخیم تفسیر بھی لکھی جس کی پانچ جلدیں چھپ چکی ہیں اور چھٹی جلد طباعت کے مراحل میں ہے۔ ان کی بیشتر زندگی تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزری۔

مولد و مسکن: مولانا موصوف ۲۰/مارچ ۱۹۲۵ء کو فیصل آباد کے ایک مشہور گاؤں اوڈانوالہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محترم مولانا احمد دینؒ مجاہد حریت صوفی عبداللہ ؒ کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کرکے شہیدین کی 'جماعت المجاہدین' میں شامل ہوگئے تھے۔

بقول محترم اسحق بھٹی، موصوف کے والد نہایت متقی، انتہائی منکسر مزاج اور صوفی عبداللہ کے قابل اعتماد ساتھی تھے۔ بلکہ انہوں نے صوفی صاحب سے ہی قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا تھا اور موصوف کی تعلیم و تربیت میں صوفی صاحب کا خاصا دخل تھا۔

تعلیم و تربیت: مولانا موصوف نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ اس کے بعد گورنمنٹ سکول سے پرائمری پاس کرنے کے بعد ۱۹۳۶ء میں صوفی محمد عبداللہ صاحب کی خواہش پر اوڈانوالہ میں ان کے مدرسہ 'تقویۃ الاسلام' میں داخل ہوگئے۔ پھر صوفی محمد عبداللہ جیسے زہد و تقویٰ کے پیکر، حافظ محمد گوندلوی جیسے متبحر عالم دین، مولانا نواب الدین، مولانا ثناء

www.KitaboSunnat.com

اللہ ہوشیاری، مولانا عبدالرحمن نومسلم، مولانا حافظ محمد اسحق اور مولانا داؤد انصاری بھوجیانی جیسے لائق اور کہنہ مشق اساتذہ کی زیر تربیت ان کی شخصیت پروان چڑھی اور ۱۹۴۵ء میں اسی دارالعلوم میں مسندِ تدریس پر فائز ہوئے۔ اسی دوران میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس کے علاوہ پنجاب یونیورسٹی سے فاضل عربی اور فاضل فارسی کے امتحانات میں نمایاں پوزیشن حاصل کی۔

تدریسی خدمات اور مدرسہ رحمانیہ سے وابستگی

مولانا موصوف کا تدریسی تجربہ ۵۰ سال پر محیط ہے۔ اس دوران ہزاروں تشنگانِ علم نے آپ سے کسبِ فیض کیا۔ آپ نے جب تدریس کا آغاز اپنے محسن و مربی کی خواہش پر اپنی مادرِ علمی سے کیا تو چودہ سال تک وہاں سے قدم نہیں ہٹایا۔ پھر کچھ عرصہ بعض مدارس میں گذارنے کے بعد ۱۹۷۸ء میں حافظ عبدالرحمن مدنی کے ساتھی کی حیثیت سے مدرسہ رحمانیہ کی تحریک میں شامل ہوگئے۔ مولانا مدنی کے سامنے ایک عظیم اسلامی یونیورسٹی کا منصوبہ تھا، جس کے لئے وہ عملی میدان میں اُترنے کی ابتدا ہی سے کوشاں تھے۔ مولانا مدنی اپنے اس عزم کو عالم اسلام کی مایہ ناز مدینہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم رہ کر کافی صیقل کر چکے تھے جس کیلئے اُنہیں مفتی اعظم سعودی عرب شیخ عبدالعزیز بن باز مرحوم کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی بھی حاصل تھی۔

۱۹۶۸ء میں مدینہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد مولانا مدنی نے عام دینی مدارس کی روش سے ہٹ کر مدارس کی درجہ بندی کے تصور کو قائم رکھتے ہوئے ایک ثانوی درجہ کی درس گاہ 'مدرسہ رحمانیہ' کے نام سے لاہور میں شروع کی، جسے وہ اسلامی یونیورسٹی کے منصوبہ کی تکمیل کی غرض سے اعلیٰ تعلیم کی طرف ترقی دینا چاہتے تھے کہ مولانا محمد صادق خلیل جیسی کہنہ مشق شخصیت کی رفاقت اُنہیں ملی۔ چنانچہ اُنہوں نے شریعت اور عربی علوم کی اعلیٰ تعلیم کے تخصص کی طرف قدم رکھا۔ اس وقت اس مرحلہ تخصص کے اساتذہ میں حافظ عبداللہ بھٹوی اور ڈاکٹر شیخ عاصم قریوتی (اُردنی) بھی شامل تھے۔

مولانا مدنی کے پیش نظر یونیورسٹی کا ایسا خاکہ تھا جس میں کسی خاص فرقہ وارانہ سوچ کو پروان چڑھانے کی بجائے ایسے علما کو تیار کیا جائے جو مذہبی تعصّبات سے بچ کر سلف صالحین کے نہج پر کتاب و سنت کی آزاد فضا میں جہاں دینی علم و تحقیق میں دسترس رکھتے ہوں وہاں دنیاوی تجرباتی سماجی علوم سے بھی آراستہ ہوں، تاکہ جدید معاشروں میں اسلام کی رہنمائی مؤثر طریقے سے انجام دے سکیں۔ اسی غرض سے نصاب میں شریعت اور سماجی علوم دونوں تک

www.KitaboSunnat.com

گہری رسائی کے علاوہ قدیم عربی زبان کے ساتھ جدید عربی کی ضرورتوں کو بھی ملحوظ رکھا گیا۔

دورِحاضر میں عالم اسلام فکروعمل کی سطح پر جس افراط و تفریط کا شکار ہے، اس میں ایک طرف مذہبی حلقوں میں ظاہر پرستی اور تقلیدِ جامد چھائی ہوئی ہے تو دوسری طرف ترقی پسندی کے زعم میں اجتہاد کے بجائے الحاد کے دروازے کھولے جارہے ہیں۔ برطانوی استعمار نے برصغیر پاک وہند کی عجمیت سے فائدہ اُٹھا کر جزوی فروعی مسائل میں شدت پیدا کرکے فرقہ بندی کو جس طرح فروغ دیا وہ اس پر مستزاد ہے۔ مولانا مدنی کی نظر میں اگر فرقہ وارانہ تعصّبات کا حل آزادانہ تحقیقی فضا پیدا کرنا ہے تو الحاد و تجدد کا علاج کتاب و سنت سے گہری وابستگی کے ساتھ اس کے توسع اور گہرائی کا بصیرت افروز شعور ہے۔ انہی مقاصد کے پیش نظر انہوں نے ایک ایسا ادارہ بھی مجلس التحقیق الاسلامی کے نام سے تشکیل دیا جس کا مقاصد میں ایسے ہی دینی تحقیقی اور اصلاحی رجحانات کا فروغ شامل ہے۔ اسی مجلس التحقیق الاسلامی کا ترجمان مجلہ ماہنامہ محدث ہے جس کی علم و تحقیق کے فروغ کے لئے خدمات مسلمہ حیثیت رکھتی ہیں۔

مولانا مدنی نے مدینہ یونیورسٹی سے فارغ ہو کر جب اپنے تعلیمی مشن کی ابتدا وسائل کی کمی کی بنا پر مدرسہ رحمانیہ سے کی تو انہی دنوں (۱۹۷۰ء میں) اس کے مقاصد محفوظ رکھنے اور یونیورسٹی کے منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مجلس التحقیق الاسلامی قائم کردی اور جونہی انہیں مولانا محمد صادق خلیل جیسا تدریسی تجربہ اور تحقیقی ذوق رکھنے والا رفیق کار ملا تو انہوں نے کلیة الشریعة کی ابتدا کرکے مدرسہ رحمانیہ کو جامعہ لاہور الاسلامیہ کی صورت دے دی۔ بعد ازاں اس میں دیگر کلیات مثلاً کلیة القرآن و العلوم الاسلامیة اور کلیة العلوم الاجتماعیة کے قیام کے علاوہ المعهد العالي للشریعة و القضاء اور المعهد العالي للدعوة و الاعلام کے اعلیٰ تخصصاتی کورس بھی جاری کئے۔

مولانا محمد صادق خلیل کے حوالہ سے لکھی جانے والی ان سطور میں جامعہ رحمانیہ کا تعارف اور اس کے شعبہ جات کا تذکرہ اسی مناسبت سے ضروری ہے کہ اس کی بنیادوں میں مولانا صادق خلیل مرحوم کا بھی ایک اہم حصہ تھا، بلکہ جامعہ میں مولانا محمد صادق خلیل کے قیام کے دوران ایک المناک حادثہ یہ ہوا کہ جامعہ کی قدیم عمارت (۲۷۰ فیروز پور روڈ، بالمقابل قذافی سٹیڈیم، لاہور) کو جولائی ۱۹۸۰ء میں رات کے وقت ناگہانی طور پر بلڈوز کردیا گیا جب کہ مولانا مدنی پاکستان سے باہر تھے۔ ان دنوں مدرسہ رحمانیہ کی طرف سے حکومت سے گفت

www.KitaboSunnat.com

وشنید اور قومی اخبارات سے رابطہ کا کام مولانا محمد صادق خلیل ہی انجام دیتے رہے۔

اس وقت مولانا صادق خلیل صاحب نے صدر مدرّس کی حیثیت سے نوائے وقت اور دیگر اخبار کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں انہوں نے حکومت اور انتظامیہ پر سخت تنقید کی اور صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق اور گورنر پنجاب سے استدعا کی کہ فی الفور اس سانحہ کی تحقیق کروائی جائیں اور اس میں ملوث افراد کو قرارِ واقعی سزا دی جائے۔ ان کا یہ مراسلہ ۱۵/ جولائی ۱۹۸۰ء کو نوائے وقت میں تفصیل سے شائع ہوا۔

گویا مولانا صادق خلیل صاحب ابتلا کے اس دور میں مولانا مدنی کے شانہ بشانہ چلتے رہے، تمام آزمائشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اخبارات و رسائل کو الحاد و بے دینی کے خلاف جاندار بیانات دیئے۔ اور ان حضرات کی کوششوں سے مدرسہ رحمانیہ کے لئے متبادل انتظامات کئے گئے۔ اس کے بعد آخر کار وہ وقت آیا کہ مولانا مدنی، ان کے دست وبازو مولانا محمد صادق خلیل اور دیگر حضرات کی انتھک کوششوں سے ابتلا کی یہ آندھیاں چھٹیں اور مدرسہ رحمانیہ درجہ ثانویہ سے ترقی کے مختلف مراحل سے گزرتا ہوا جامعہ لاہور الاسلامیہ کے نام سے اعلیٰ تعلیمی ادارہ بنا۔ جامعہ کے لئے کئی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ اور مولانا محمد صادق خلیل جیسے عالی ہمت افراد کے خلوص اور جہدِ مسلسل سے وہ خواب کسی حد تکشرمندہ تعبیر ہوا جس کا عرصہ سے انتظار تھا۔

اب الحمدللہ جامعہ لاہور الاسلامیہ دینی و عصری علوم کے امتزاج سے ایک یونیورسٹی ہے، جس کا نصاب پاک وہند کے روایتی علوم کے علاوہ عرب دنیا کی اسلامی یونیورسٹیوں کے نصاب سے ہم آہنگ ہے۔ اسی وجہ سے اس کی سند عرب ممالک کی اکثر اعلیٰ یونیورسٹیوں کے ہاں تسلیم شدہ ہے۔ طلبا کی ایک بڑی تعداد مذکورہ بالا شعبہ جات میں زیر تعلیم ہے۔ تعلیم کے علاوہ رفاہِ عامہ کے متعدد شعبے بھی یہاں سرگرمِ عمل ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے نام سے ایک مستقل تحقیقی ادارہ بھی اپنے میدان میں کام کررہا ہے۔ جس کے تحت عرصہ ۳۵ سال سے ماہنامہ 'محدث' شائع ہورہا ہے جس میں جدید مسائل پر قدیم وجدید علوم کے ماہر علما اور اساتذہ کے تحقیقی مقالات کے ذریعہ حالاتِ حاضرہ پر اسلامی رہنمائی پیش کی جاتی ہے۔ اسکے علاوہ قدیم وجدید علوم پر مشتمل ایک کمپیوٹرائزڈ منظم لائبریری ہے نیز برصغیر میں گذشتہ ڈیڑھ صدی کے شائع ہونے والے اُردو عربی مجلّات کا ایک بہت بڑا مرکز ہے۔ ان مختلف کاموں کی بعض رپورٹیں محدث کے انہی صفحات پر شائع ہوتی رہتی ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

یادِ رفتگاں

مولانا عبد السلام فتح پوری
مجلس التحقیق الاسلامی

نامور اہل علم کی رحلت

گذشتہ چند ایام اس لحاظ سے اہل علم پر بڑے بھاری گزرے کہ اس میں نامور جید علما اور جماعتی شخصیات نے وفات پائی۔ پے در پے ایسی خبروں کا موصول ہونا بڑے رنج والم کا باعث ہوا۔ ان شخصیات کی وفات پر ہم بھی ان کے نسبی پس ماند گان سے اظہارِ تعزیت کرتے ہیں، لیکن واقعتا ان کے پس ماند گان میں ان کے فیض یافتگان، ان کے علم سے روشنی حاصل کرنے والے تمام اہل دین ہیں، جن کے لئے ان حضرات کا جانا ایک شفیق سرپرست کے اٹھ جانے سے کسی طور کم نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی رحلت کو ہمارے لئے آزمائش کا سبب نہ بنائے۔ آمین! محدث کے قارئین سے ان کے لئے دعائے مغفرت کی گذارش کرتے ہوئے ہم بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان نمایاں لوگوں کی رحلت سے واقع ہونے والا خلا جلد پورا فرمائے، ان کی کوتاہیوں سے در گزر فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، ان کے جانشین پیدا فرمائے، اور ان کے پس ماند گان کو صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔

یوں تو عالم کی وفات میں دنیا بھر کا نقصان ہوتا ہے، اور قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ اہل علم دنیا سے اُٹھ جائیں گے اور ان کی مسند سنبھالنے والے نہ ہوں گے، اللہ سے دعا کہ ایسے حالات میں ہم میں سے نئے اسلام کے خادم پیدا فرما اور علم کا ذوق رکھنے والوں کو علم ودین کی یکسوئی سے خدمت کی توفیق دے۔ ذیل میں ان وفات پانے والی نامور شخصیات کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے، مجلس التحقیق الاسلامی اور جامعہ لاہور الاسلامیہ سے وابستہ رہنے والے علما کے بارے میں آئندہ بعض تفصیلات بھی محدث میں شائع کی جاتی رہیں گی، ان شاء اللہ! (حسن مدنی)

مولانا ریاض الحسن نوری

جناب ریاض الحسن نوری علمی وفکری حلقوں میں خاصی شہرت رکھتے تھے۔ آپ اپنی منفرد اور نادر معلومات کی وجہ سے دینی وعلمی حلقوں میں غیر معمولی احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کی لائبریری نادر روز گار کتب اور دینی معلومات کا خزینہ تھی۔ مغربی دانشوروں کے افکار اور سائنسی تحقیقات میں آپ کی خصوصی دلچسپی کی وجہ سے آپ کی لائبریری میں اس حوالے سے غیر معمولی اہمیت کی کتب موجود تھیں۔ ادارہ محدث اور مجلس التحقیق الاسلامی سے

www.KitaboSunnat.com

آپ کی وابستگی طویل عرصہ پر محیط تھی، ۱۹۷۰ء کے محدث کے ابتدائی شماروں میں آپ کے مضامین سائنسی اعجازات اور اسلام کے حوالے سے شائع ہوتے رہے۔ قانونی حلقوں میں بھی آپ کی خدمات عرصہ تک یاد رکھی جائیں گی۔

کبر سنی کی وجہ سے آپ چند سالوں سے بیمار چلے آرہے تھے۔ آپ کے علاج کے سلسلے میں محترم مدیر اعلیٰ خصوصی دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ ۲۰ رجنوری بروز منگل کو فوجی ہسپتال لاہور میں پیٹ کے مختصر آپریشن کے چند دن بعد آپ انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مولانا صادق خلیل

مولانا محمد صادق صاحب خلیل بروز جمعۃ المبارک ۱۴ رذی الحجہ ۱۴۲۴ھ بمطابق ۶ رفروری ۲۰۰۴ء صبح مختصر علالت کے بعد بعمر ۸۰ سال انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مولانا موصوف گونا گوں خوبیوں کے مالک تھے۔ معروف عالم دین اور بہترین مدرس تھے انہوں نے اپنی ساری زندگی تقریباً ۵۰ سال تدریس، خطابت اور ترجمہ و تالیف میں بسر کردی ان کی نمازِ جنازہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں مولانا مسعود عالم نے پڑھائی۔ نمازِ جنازہ میں معروف علمائ، شیوخ الحدیث، طلبا اور خواص و عوام نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی حسنات ومساعی کو شرف قبولیت سے نوازے۔ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ ان کی لغزشوں کو معاف کرے۔ ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ تفصیل کے لیے محدث کے اسی شمارہ میں ان پر مضامین کا مطالعہ کریں۔

مزید دیکھیں: تنظیم اہل حدیث ۲۷ رفروری تا ۴ مارچ ۲۰۰۴ء اور 'الدعوۃ' مارچ ص ۵۵

مولانا قدرت اللہ فوق

شیخ الحدیث مولانا قدرت اللہ فوق بروز بدھ ۲۱ رذوالقعدہ ۱۴۲۴ھ بمطابق ۱۴ رجنوری ۲۰۰۴ء مختصر علالت کے بعد بعمر ۷۰ سال انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مرحوم نے جامعہ سلفیہ فیصل آباد سے ۱۹۵۸ء میں سندِ فراغ حاصل کی اور اپنی عملی زندگی کا آغاز چک ۸۰ گ ب میں تدریس سے کیا اور یہاں ۱۹۷۴ء تک بحیثیتِ صدر مدرّس کام کیا۔ پھر ۷۴ء سے ۸۵ء تک تقریباً ۱۱ سال جامعہ سلفیہ میں بطورِ نائب شیخ الحدیث خدمات انجام دیں اس کے علاوہ کلیۃ دار القرآن والحدیث جناح کالونی فیصل آباد، جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ

www.KitaboSunnat.com

سر گودھا روڈ اور جامعہ تہذیب البنات، حاجی آباد فیصل آباد کے در و دیوار ان کی تدریسی خدمات سے معمور ہیں۔ مولانا کی تدریسی خدمات عرصہ ۴۵ سال تک محیط ہیں۔ آپ انتہائی خوش اخلاق، کم گو، ملنسار، نفیس شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی ساری زندگی تدریس و تعلیم دین میں گزری اور شاگردوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے، آپ کی وفات جماعت اہل حدیث کے لیے بہت بڑا صدمہ اور علمی و تدریسی حلقوں میں بہت بڑا خلا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی خدماتِ دینیہ کو قبول فرمائے اور ان کی اولاد اور شاگردوں کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ مولانا مرحوم کا نماز جنازہ ان کے چک ۴ رام دیوالی فیصل آباد میں مولانا مسعود عالم صاحب نے پڑھایا جس میں ہر مکتبِ فکر کی کثیر تعداد شریک ہوئی۔ مزید معلومات کے لیے: الاعتصام ۱۴/ جنوری، ۲۳/ جنوری ۲۰۰۴ئ/، ہفت روزہ اہل حدیث ۲۴/ جنوری اور المنبر: ۱۴ تا ۲۱ فروری ۲۰۰۴ء اور تذکرہ علماء اہل حدیث ص ۲۳۵

مولانا حافظ عبداللہ شیخوپوری

مسلکِ اہل حدیث کے ہر دلعزیز خطیب معروف مبلغ اسلام اور مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے سینئر نائب امیر حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ شیخوپوری بعمر ۶۲ سال ۲ رمحرم ۱۴۲۵ھ بمطابق ۲۳/ فروری ۲۰۰۴ء بروز سوموار انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا حافظ محمد عبداللہ شیخوپوری جماعت کے بہترین خطیب، لاجواب مقرر اور حاضر جواب مبلغ تھے۔ مرحوم نے اپنی پوری زندگی مسلک کی تبلیغ و تشہیر میں بسر کی۔ وہ گزشتہ ۴۰ سال سے شیخوپورہ شہر کی ایک ہی مسجد ربانی اہل حدیث میں تبلیغی اُمور انجام دیتے رہے اور یہی ہمارے اسلاف کا طریقہ تھا۔ حافظ صاحب مرحوم شریف النفس، با اخلاق، خوش طبع عالم دین تھے۔ بڑے ملنسار اور مہمان نواز تھے۔ آپ کے والد محترم مولانا محمد اسماعیل بہت اچھے مقرر اور بہترین مبلغ تھے اور آپ کے دادا مولانا خدا بخش بھی معروف عالم دین تھے۔ امرتسر کی تحصیل اجنالہ میں ایک گاؤں منداراں والا مشہور تھا، آپ وہاں کے رہنے والے تھے۔ آپ سید عبدالجبار غزنویؒ کے شاگرد اور مولانا محی الدین عبدالرحمن لکھوی بن حافظ محمد لکھوی کے مرید تھے۔

آپ کی ولادت ۲۴/ اگست ۱۹۴۲ء بمقام منداراں والا تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر میں ہوئی اور وفات ۲۳/ فروری ۲۰۰۴ء شیخوپورہ میں انتقال فرمایا اور بروز منگل ۲۴/ فروری بعد از نماز ظہر

www.KitaboSunnat.com

کمپنی باغ شیخوپورہ میں علامہ ساجد میر صاحب نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ آپ کے جنازہ میں معروف علماء کرام، شیوخ الحدیث، طلباء اور عوام وخواص کا جم غفیر شریک تھا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور مرحوم کے پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ مزید معلومات کے لیے الاعتصام: ۲۷/فروری تا ۴/مارچ و ۱۲ تا ۱۸ مارچ اور تنظیم اہل حدیث: ۱۲ تا ۱۸ مارچ اور ہفت روزہ اہل حدیث ۶/مارچ تا ۱۲/مارچ

آپ کے جنازے میں مجلس التحقیق الاسلامی اور جامعہ لاہور الاسلامیہ کی نمائندگی مولانا عبدالسلام فتح پوری، محمد اصغر لائبریرین اور قاری اختر انچارج آڈیو سیکشن نے کی۔

مولانا حافظ ثناء اللہ سلفی

حافظ ثناء اللہ سلفی خطیب جامع مسجد قدس اہلحدیث مدینہ کالونی والٹن ۱۷/مارچ بروز اتوار دل کا دورہ پڑنے سے وفات پاگئے ہیں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون

ان کی نمازِ جنازہ پروفیسر حافظ محمد سعید امیر جماعۃ الدعوۃ نے پڑھائی۔ ان کے جنازہ میں مقامی جماعت کے علاوہ خصوصی طور پر شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی، مولانا مبشر احمد ربانی، حافظ محمد ابراہیم سلفی، مولانا عبدالسلام فتح پوری اور قاری محمد عزیر تھے۔

جناب حافظ صاحب محترم انتہائی خوش اخلاق، کم گو، ملنسار تھے۔ زندگی کا بیشتر حصہ جامع مسجد قدس اہل حدیث میں بطورِ خطیب وامام گزارا اور تدریس وتعلیم سے خصوصی دلچسپی تھی، بچیوں کے مدرسہ میں بھی تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کی خدماتِ دینیہ کو قبول فرمائے اور ان کی خطاؤں سے درگزر فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں ٹھکانہ نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق بخشے۔

حکیم محمد یٰسین دنیاپوری

۱۸/فروری ۲۰۰۴ء کا سورج طلاع ہوا جو غروب ہوتے ہوئے علم وحکمت کے بے تاج بادشاہ، فن طب کے عظیم محسن حکیم انقلابؒ کے شاگرد اور ماہنامہ قانون مفرد اعضاء کے چیف ایڈیٹر الحاج حکیم محمد یٰسین دنیاپوری کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اِدھر نماز مغرب کی اذان بلند ہوئی اُدھر اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو گیا۔ آپؒ اپنے ہزاروں شاگردوں، بے شمار دوستوں ساتھیوں اور

www.KitaboSunnat.com

سب سے بڑھ کر ہمیں چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

طبی حلقوں میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ فوراً لوگ دنیا پور آنے شروع ہوگئے۔ حکما حضرات سیلاب کی طرح اپنے عظیم محسن کے سفر آخرت میں شرکت کے لئے دنیا پور پہنچ گئے۔ دوسرے دن ۱۹/ فروری بروز جمعرات آپ کی نمازِ جنازہ بعد نمازِ ظہر ادا کی گئی اور آپ کے آبائی گاؤں دنیا پور میں سپرد خاک کیا گیا۔

مولانا عبدالرشید راشد

ممتاز عالم دین مولانا عبدالرشید راشد فاضل جامعہ سلفیہ فیصل آباد، فاضل مدینہ منورہ یونیورسٹی ۱۱/ مارچ بروز جمعرات جنرل ہسپتال میں انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

آپ جنوری کے پہلے ہفتہ میں ادارہ الاصلاح بستی البدر (بونگہ بلوچاں) پھولنگر بقیۃ السلف حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی کے ہاں نمازِ جمعہ پڑھ کر واپس لاہور آرہے تھے۔ پھولنگر کے قریب جس رکشہ میں آپ سوار تھے، وہ حادثہ کا شکار ہو گیا اور ان کی دائیں ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اس رکشہ میں حافظ یحییٰ عزیز میر محمدی کے فرزند جناب محمد اسمٰعیل بھی زخمی ہوگئے۔

حادثہ میں سر پر چوٹ آنے کی وجہ سے طاری ہونے والی بے ہوشی کی وجہ سے آپ کو جناح ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا، پھر چند دن بعد کارڈیکس ہسپتال لاہور (پرائیویٹ) میں بھی داخل رہے اور ان کی ٹانگ کا آپریشن ہوا۔

اسی دوران ان کو گردوں کی تکلیف کی وجہ سے جنرل ہسپتال کے یورالوجی وارڈ میں داخل کیا گیا، کچھ دن طبیعت سنبھلی، پھر طبیعت کی کمزوری کی وجہ سے ہسپتال میں بے ہوش رہے۔ تقریباً دو ماہ بیمار رہنے کے بعد ۱۱/ مارچ کو جنرل ہسپتال میں وفات پا گئے۔

ان کی نمازِ جنازہ کوٹ لکھپت قلعہ والی جامع مسجد اہلحدیث میں شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی نے بعد نمازِ عشا پڑھائی۔ کثیر تعداد میں علما، شیوخ الحدیث، طلبا، شاگردوں اور احبابِ جماعت نے شرکت کی۔ گوجرانوالہ، سیالکوٹ، قصور، فیصل آباد، شیخوپورہ، سرگودھا، اسلام آباد سے بھی احبابِ جماعت جنازہ میں شریک ہوئے۔

آپ نہایت مشفق اور مربی استاذ تھے۔ حدیث، علومِ حدیث سے خاص شغف تھا۔ آپ بہترین خوشنویس تھے اور بہت سی خوبیوں کے مالک تھے اور وقتاً فوقتاً خطبہ جمعہ کے فرائض بھی

www.KitaboSunnat.com

انجام دیتے تھے۔ آپ نے مدینہ یونیورسٹی سے سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد جامعہ لاہور الاسلامیہ (جامعہ رحمانیہ) میں تقریباً ۱۶، ۱۷ سال تدریسی خدمات انجام دیں۔

جامعہ میں تدریس کے اس طویل عرصہ میں آپ نے ہزاروں شاگردوں کو تعلیم دی، آپ علمی رسوخ کے مالک تھے، حدیثِ نبوی کا خاص ذوق رکھتے تھے۔ متقی اور ملنسار تھے۔

آپ نے دو سال جامعہ اہل حدیث جامع مسجد قدس چوک دالگراں میں بطورِ نائب شیخ الحدیث خدمات بھی انجام دیں، چند سالوں سے آپ محترم حافظ ثناء اللہ مدنی کے ساتھ ترمذی شریف کی شرح کے سلسلہ میں معاون کی حیثیت سے بھی شریکِ کار تھے اور روزانہ وقت دیتے تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں ٹھکانہ نصیب فرمائے، ان کی لغزشوں کو معاف کرے اور حسنات کو قبول فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

انہوں پسماندگان میں دو بیوہ اور ایک ننھی منھی چھوٹی بچی چھوڑی ہے۔

ایک نیک خاتون کا انتقال

حافظ محمد عبد اللہ محدث روپڑیؒ کے برادرِ خورد حافظ عبد الرحمنؒ امرتسری کی بیٹی اور حافظ عبد القادر روپڑیؒ کے چھوٹے بھائی حافظ محمود احمدؒ کی بیوہ اہلیہ بروز بدھ ۱۰/مارچ ۲۰۰۴ء کو ۸۴ جے ماڈل ٹاؤن لاہور میں انتقال کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحومہ بہت نیک، متدین، صوم وصلوٰۃ کی پابند اور مخیر خاتون تھیں۔ چند روزہ علالت کے بعد ۱۰/مارچ بروز بدھ تقریباً ۱۱/بجے وفات پا گئیں۔ ان کی نمازِ جنازہ جامع مسجد رحمانی جے بلاک ماڈل ٹاؤن میں ۱۱/مارچ کو بعد نمازِ عصر ادا کی گئی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی حسنات کو قبول فرمائے اور لغزشوں کو معاف فرمائے اور جنت الفردوس میں ٹھکانہ نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ اللھم اغفرلھا وارحمھا واعف عنھا

☆ محدث کی توسیع اشاعت میں آپ بھی اپنا حصہ ڈالئے اور اس ماہ کم از کم ایک دوست کو محدث کا خریدار بنائیں۔ یہ آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہو گا، ان شاء اللہ
☆ مطالعہ کے شائق متعدد حضرات وسائل کی کمی کی بنا پر محدث کی خریداری نہیں کرسکتے۔ ایسے باذوق حضرات کو محدث جاری کروانا کارِ خیر سے کم نہیں جس کے لئے اہل خیر کو بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے۔ اسی طرح طلبہ کے لئے محدث کا زرسالانہ صرف ۱۰۰ روپے ہے۔
☆ محدث میں اپنے اِدارے / کتب اور مصنوعات کے اشتہارات دیکر کاروبار کو فروغ دیں!

www.KitaboSunnat.com

LRL No. 183
Vol. 36 NO.3

Ph: 5866476
5866396

Monthly MUHADDIS Lahore

- عناد اور تعصب قوم کے لیے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں..... لیکن تعصّبات سے بالا تر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں..... لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے..... لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے..... لیکن

نہ جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے..... لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

..... اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

محدث

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ! کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے — زرِسالانہ ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700

www.mohaddis.com